۱۳۰۹ھ

انگریزوں سے جہاد حرام ہے۔ ابوالوھابیہ محمد حسین بٹالوی

حصہ اول

رسالہ

الاقتصاد فی مسایل الجہاد

جسکو
ابو سعید محمد حسین لاہوری ایڈیٹر رسالہ اشاعۃ السنۃ نے
تالیف کیا

انگریزوں سے جہاد حرام ہے۔ ابوالوھابیہ محمد حسین بٹالوی

مختلف فرقہ ہائے اہل اسلام کے خواص و عوام نے
پسند کیا
اور
پنجاب کے نامور و ہر دلعزیز لفٹنٹ گورنر سر چارلس ایچیسن صاحب بہادر کے سی ایس آئی وغیرہ وغیرہ نے اپنے نام نامی سے اسکا
ڈیڈیکیٹ ہونا منظور فرمایا
اور
اسمین مسئلہ جہاد کی ایسی تحقیق و شرح ہوئی ہے جسکی نظیر اسوقت تک کسی کتاب
مین جو اسباب مین تالیف و مطبوع ہو چکی ہین پائی نہین گئی
وکٹوریہ پریس مین چھپا

ناشر: مکتبۃ الجمال چک ۱۱۲/۱۰-R تحصیل خانیوال۔ ڈاکخانہ جہانیاں منڈی ضلع ملتان

انگریزوں سے جہاد حرام ہے۔ ابوالوھابیہ محمد حسین بٹالوی

التماس

ناظرین باتمکین سے جو اصل اصول مسایل رسالہ "اقتصاد" کی نسبت بجواب استشہاد مندرجہ ضمیمہ اشاعۃ السنۃ نمبر ا جلد ۲ مشتہرہ نومبر ۱۸۷۶ء توافق رائے ظاہر فرما چکے ہین اب اسکے تفصیلی مسایل اور اسکے دلایل کی نسبت اپنا توافق رائے ظاہر کرین اور اپنے نام نامی بخط واضح پوری تفصیل مقام خطاب و عہدہ تحریر مین لا کر ہمارے پاس بھیجدین ہم ان نامون کو شمول رسالہ اقتصاد یا بذریعہ اشاعۃ السنۃ گورنمنٹ مین پیش کرینگے اور سلطنت انگلشیہ کی نسبت انکی وفاداری و اطاعت شعاری کو خوب شہرت دینگے

اور جنکو اس رسالہ کے کسی مسئلہ یا دلیل کی نسبت کوئی علمی یا مذہبی اعتراض ہو وہ اپنے اعتراض سے مؤلف کو آگاہ کرین ان کے اعتراض کا جواب جسطرح وہ چاہئین (خفیۃً خواہ علانیۃً) دیا جاویگا اور ان کے نام کا ہرگز کہین ذکر نہوگا ۔

واللہ علی ذلک شہید وکفی باللہ شہیدا وکفی باللہ وکیلا

حصّہ اوّل

الاقتصاد فی مسایل الجہاد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الہادی من استہداہ الواقی من اتقاہ والصلوٰۃ والسلام
خدا کا شکر ہے جو طالبان ہدایت کو راہ دکھاتا ہے اور پرہیزگارون کو عذاب سے بچاتا ہے اور
علی رسولہ الذی خصہ بالحنیفیۃ السمحۃ من بین جمیع من نباہ د
اُنکے رسول پر اُنکی رحمت و سلام ہو جسکو اُنھنے اپنے تمام رسولون سے یکسو و آسان دین سے مختص
علی آلہ واصحابہ الذین کمل اللہ بہم امر رشدہ وہداہ ۔
فرمایا اور آپ کے آلؑ اصحاب پر جنکے ذریعہ سے خدا نے اپنے ارشاد و ہدایت کو کامل کیا ۔

امابعد یہ رسالہ **الاقتصاد فی مسایل الجہاد** مینے دو غرضین پیش نظر رکھکر تالیف کیا ہے ۔ اوّل یہ کہ ناواقف اہل اسلام جہاد کے متعلق مسایل و شروط اسلام سے واقف ہون اور اقوام غیر سے جنگ کرنے کو صرف اس نظر سے کہ وہ مخالف اسلام ہین شرعی جہاد سمجھکر اسمین شامل ہونے کو دین نہ سمجھ لین ۔ جبتک کہ اس جنگ مین اُن شرائط کا وجود جو شرعی جہاد کے لئے اسلام مین مقرر ہین ثابت

کرلین اور اس تحقیق شرائط و علم مسائل کے ذریعہ سے وہ ہمیشہ بلوے و فساد سے بچے رہین نہ اپنے جان و مال کو بے موقع تلف کرین نہ اور لوگون کی ناحق خونریزی کرین۔ دوسری غرض یہ کہ اقوام غیر اور گورنمنٹ جنکے ظل حمایت مین اہل اسلام ہندآباد ہین اہل اسلام کی نسبت یہہ گمان نہ کرین کہ صرف مذہبی مخالفت کی نظر سے اقوام غیر کے ساتھ لڑنا اور اُن کے جان و مال سے تعرض کرنا اور لوگون کو جبراً مسلمان بنانا اور زور شمشیر سے اسلام پھیلانا ان کے مذہب اسلام کی ہدایت سے ہے **ان دو نو غرضون کا نتیجہ** یہہ ایک غرض ہے کہ حاکم و محکوم اور عام رعایا اور خاص اہل اسلام مین رابطہ اتحاد* پیدا ہو اور ملک مین ہمیشہ امن و امان قایم رہے +

یہ رسالہ مینے ۱۸۷۶ء مین تالیف کیا اور اسمین علماء اسلام کی رائین لینے اور اُن کا **توافق** رائے حاصل کرنے کے لئے لاہور سے عظیم آباد پٹنہ تک سفر کیا اور اکابر علماء مختلف فرقہائے اسلام کو یہ رسالہ حرف بحرف سُنا کر اُنکا توافق رائے حاصل کیا اور بعض بلاد ہندوستان و پنجاب مین (جہان راقم خود نہین جا سکا) اس رسالہ کی متعدد کاپیان بھیجکر ان بلاد کے اکابر علماء کا اتفاق رائے حاصل کیا پھر ۱۸۹۳ء مین اس رسالہ کے اصل اصول مسایل کو بضمن ضمیمہ نمبر ۱۱ جلد ۲ رسالہ اشاعۃ السنۃ بعنوان استشہاد عام لوگون مین شایع کیا اور اس مین عام اہل اسلام کو ان مسایل مین اپنی آرا ظاہر کرنے کا موقع دیا

---

* اور دنیا مین اتحاد۔ گو مذہب مین اختلاف ہو۔

جسپر بہت سے مواضع ہندوستان و پنجاب کے (جہان وہ ضمیمہ پہونچا) صدہا عوام و خواص نے اُن مسایل کی نسبت اپنا اتفاق رائے ظاہر کیا اور اصل رسالہ ”اقتصاد“ کی طبع و اشاعت کی نسبت کمال شوق ظاہر فرمایا ان کے اس شوق کو بڑہانے اور عام ناواقفون کے خیال مین ان مسایل کی خوبی جمانے کی نظر سے مین اس رسالہ کی طبع و اشاعت کو معرض التوا مین ڈالتا گیا آس اثنا مین ان مسایل کا استحسان بخوبی ہوگیا اور برادران اہل اسلام کا شوق طبع رسالہ بھی اپنی حد کمال کو پہونچا اسلئے مین اب اس رسالہ کی اشاعت کو مناسب سمجھتا ہون -

قبل بیان شروط و مسایل جہاد ایک تمہید کا بیان ضروری ہے -

وہ تمہید یہ ہے

جہاد (جو اسلام و مسلمانون مین ایک رکن عظیم مانا جاتا ہے) دو قسم ہے ملکی و مذہبی ملکی* جہاد (جسکو ملکی لڑائی بھی کہا جاتا ہے) کے اصول و اغراض اہل اسلام کے نزدیک بھی وہی مقرر و مسلم ہین جو ہر ایک صاحب شوکت قوم یا ریاست یا سلطنت مین تسلیم کئے جاتے ہین یعنے اپنا (یا اپنون کہو کر اپنی قوم کا)

---

* ملکی وہ جہاد ہے جس سے ملک گیری مقصود ہو۔ مذہب مخالفین سے اسکو کوئی تعلق نہو وہ مسلمانون پر بھی ویسا ہی کیا جاتا ہے جیسا کہ مخالفین اسلام سے - مذہبی جہاد وہ ہے جس مین مذہب اسلام کا تحفظ مدنظر ہو اور وہ ان لوگون سے کیا جاتا ہے جو مسلمانون کے مذہب مین دست اندازی کرین اور مسلمانون کو تکلیف دین +

بول بالا چاہنا اور دوسرون کو اپنے ماتحت کرنا اور اس ذریعہ سے عامہ خلایق مین حفظ و امن قایم کرنا اس جہاد (یا لڑائی) مین فریق مقابل کے مذہب کا ہرگز لحاظ نہین ہوتا جو لوگ ذی شوکت اہل اسلام کی اطاعت سے خارج ہون (مسلمان ہون خواہ اقوام غیر) اُن سے وہ لڑتے ہین چنانچہ عام اہل شوکت اپنے باغیون اور مخالفین سلطنت سے لڑتے ہین اور اپنی قومی جمعیت اور سلطنت قایم کرتے ہین اسی نظر سے اس جہاد کو ملکی لڑائی کہا جاتا ہے ۔

ان اصول کی تسلیم و عدم تسلیم مین مسلمانون اور اقوام غیر مین کچھ فرق نہین ہے ہان فرق ہے تو اسقدر ہے کہ اور لوگ ان اصول و اغراض کو دنیاوی سمجھتے ہین ۔ مسلمان اپنے اور امور دنیاوی (کھانے پینے خریدنے اور فروخت کرنے) کی طرح ان اصول کو بھی داخل دین اور موجب ثواب سمجھتے ہین اور ان کے مذہب مین ان اصول کے قائم رکھنے اور ان اغراض کے پورا کرنیکی بابت بھی ویسی ہی ہدایتین آچکی ہین جیسے کہ ان کے اور مذہبی اور دنیاوی امور کی بابت ہدایتین آچکی ہین +

مذہبی جہاد (یا لڑائی) کے اصول و اغراض حفظ و حمایت اسلام اور مدافعت ضرر مخالفین اسلام ہے یہ ان مخالفین اسلام سے کیا جاتا ہے جو مذہب اسلام کے مزاحم ہون مسلمانون کو مذہبی لحاظ سے ستادین انکی مذہبی آزادی مین دست اندازی کرین اس جہاد مین اپنے مذہب و اہل مذہب کے بچاؤ و محافظت کے علاوہ دوسرے

مذہب والون سے جابرانہ مزاحمت کرنا (کسیکو زبردستی مسلمان کرنا یا انکو پہلے مذہب کی سزا دینا مار ڈالنا یا لوٹ لینا) مدنظر و اصل مقصود نہین ہوتا۔

ان دونو قسم کے جہاد کے لئے مذہب اسلام مین ایسے شروط و مواقع مقرر ہین جنسے سرمو بھی تجاوز کرنے سے جہاد (ملکی ہو خواہ مذہبی) جہاد نہین رہتا بلکہ فتنہ و فساد کہلاتا ہے +

ہم اس مقام مین ملکی جہاد کے شروط و مسایل سے تعرض کرنا نہین چاہتے اور نہ اسکی چندان ضرورت دیکھتے ہین صرف مذہبی جہاد کے احکام و شرایط معہ ان کے نتایج کے بضمن چند مسائل بیان کرتے ہین - کیونکہ اسمین ناواقف مسلمان اکثر احکام اسلام کا خلاف کرتے ہین اور اسی مین ناواقف اقوام اصل اسلام و مسلمانون پر بدظنی کرتے ہین +

پہلا مسئلہ

مذہبی جہاد اصول مقاصد اور اصل مطالب خداوندی سے نہین ہے جو مخلوق کے پیدا کرنے اور انبیاء کے بھیجنے سے منظور الٰہی ہین بلکہ اصل مقصود پیدایش مخلوق و بعثت رسولون سے خدا کی عبادت و ذکر ہے جہاد صرف اس عبادت و ذکر کو قایم رکھنے کا ذریعہ ہے - حق تعالیٰ نے فرمایا ہے مینے جنون اور آدمیون کو کسی کام کے لئے بجز اپنی عبادت کے پیدا نہین کیا اور فرمایا کہ ان کو بجز اس کے کچھ

وما خلقت الجن والانس الا

ليعبدون (ذاريات ع ٣) وما امروا الا ليعبدوا الله مخلصين له الدين حنفاء ويقيموا الصلوٰة ويؤتوا الزكوٰة (بنية ع ١) الذی خلق الموت والحيوٰة ليبلوكم ايكم احسن عملاً ط (ملك ع ١)

وفسّر السنة ان افضل الاعمال و احبها الى الله العبادة والذكر فعن ابن مسعود رض قال سالت النبی صلے الله عليه وسلم ای الاعمال احب الى الله قال الصلوٰة لوقتها قلت ثم ای قال بر الوالدين قلت ثم ای قال الجهاد فی سبيل الله رواه الشيخان (مشکوٰة ص)

وعن ابی الدرداء قال قال رسول الله صلعم الا انبئكم بخير الاعمال وازكاها عند مليككم

کچھ حکم نہیں ہوا کہ وہ خدا کی خالص عبادت کریں اور نماز قایم کریں اور زکوٰۃ دیں *

اور فرمایا خدا نے تمکو اسلیے پیدا کیا اور مارتا ہے کہ تم میں سے نیکوکار معلوم ہوں آنحضرت صلعم نے اسکی تفسیر میں فرمایا ہے کہ سب کاموں سے افضل خدا کی عبادت و ذکر ہے - ابن مسعودؓ نے آپ سے پوچھا کہ خدا کو سب عملوں سے زیادہ پیارا کونسا عمل ہے تو آپ نے فرمایا کہ نماز اپنے وقت پر کہا پھر کون سا عمل آپ نے فرمایا ماباپ سے نیکی کرنا کہا اسکے بعد کونسا عمل آپ نے فرمایا خدا کی راہ میں جہاد[*] کرنا - ابو درداء نے روایت کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میں تمکو سب عملوں سے

---

[*] اس حدیث میں آنحضرت م نے جہاد کو (جو بلا شروط مقررہ جائز ہی نہیں) وقت پر نماز پڑھنے اور ماباپ کے ساتھ احسان کرنے سے کم رتبہ ٹھہرایا *

وارفعہا فی درجاتکم وخیر لکم من
انفاق الذہب والفضۃ وخیر لکم
من ان تلقوا عدوکم فتضربوا اعناقہم
ویضربوا اعناقکم قالوا بلی قال
ذکر اللہ رواہ مالک واحمد والترمذی
(مشکوۃ صـ۱۹۰)

وعن ابی سعید الخدری ان رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم سئل ای الاعمال
افضل وارفع درجۃ عند اللہ یوم
القیمۃ قال الذاکرون اللہ کثیراً والذاکرات
قیل یا رسول اللہ ومن الغازی فی
سبیل اللہ قال لو ضرب بسیفہ فی الکفار
والمشرکین حتی تنکسر ویختضب دماً فان
الذاکر للہ افضل منہ درجۃ رواہ
احمد والترمذی (مشکوۃ صـ۱۹)

بہتر اور خدا کی نزدیک پاکیزہ تر اور درجات مین سب سے برتر اور چاندی سونا خرچ کرنے اور دشمن سے* لڑکر اسکی گردن کاٹنی اور اپنی کٹوانے سے بہتر نہ بتاؤن لوگون نے عرض کیا کیون نہین بتلائیے آپ نے فرمایا وہ خدا کا ذکر ہے۔

ابو سعید خدری نے روایت کیا ہے کہ آنحضرتؐ سے کسینے سب عملون سے افضل اور درجہ مین بالاتر عمل کا سوال کیا تو آپ نے ذکر کرنیوالون کا حال بیان فرمایا سایل نے پوچھا کہ وہ خدا کی راہ مین لڑنیوالون سے بھی بہتر ہے آپ نے فرمایا ہان اگرچہ لڑنے والا مشرکین پر تلوار توڑ دے* اور خون مین رنگا جائے تو بھی ذکر والا اس سے افضل ہے۔

---

* ان ہی شرطے سے جو جہاد کے لئے مقرر ہین ۔ بلا وجود شرایط کبھی جہاد شرعی نہین کہلاتا ۔ اور نہ اسپر اجر کی امید ہے ۔

وعن معاذ قال قال رسول اللہ صلعم
یا معاذ ھل تدری ما حق اللہ علی
عبادہ وما حق العباد علی اللہ قلت اللہ
ورسولہ اعلم قال فان حق اللہ علی العباد
ان یعبدوہ ولا یشرکوا بہ شیئا وحق
العباد علی اللہ ان لا یعذب من لا یشرک
بہ شیئا۔ رواہ الشیخان ۔ (مشکوٰۃ صـ)

وعن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلعم
من اٰمن باللہ ورسولہ واقام الصلوٰۃ
وصام رمضان کان حقا علی اللہ ان
یدخلہ الجنۃ جاھد فی سبیل اللہ
او جلس فی ارضہ التی ولد فیھا قالوا
افلا نبشر بہ الناس قال ان فی الجنۃ
مائۃ درجۃ اعدھا اللہ للمجاھدین الخ
رواہ البخاری ۔ (مشکوٰۃ صـ۳۲)

معاذ بن جبل سے آنحضرت صلعم نے پوچھا کہ کیا تو جانتا ہے خدا کا حق بندون پر کیا ہے اور بندون کا حق خدا پر کیا ہے انہون نے عرض کیا کہ خدا اور رسول خوب جانتے ہین آپ نے فرمایا خدا کا حق بندون پر یہ ہے کہ وہ اسکی عبادت کرین اور اسکو اسکا شریک نہ بناوین اور بندون کا حق خدا پر یہہ ہے کہ پھر وہ انکو عذاب نکرے۔ ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ جو کوئی خدا اور رسول پر ایمان لایا اور نماز روزہ کو اُسنے ادا کیا اسکا خدا پر حق ہو چکا کہ اسے بہشت مین داخل کرے خواہ وہ خدا کی راہ مین لڑا ہو خواہ اسی جگہ بیٹھ رہا ہو جہان وہ پیدا ہوا لوگون نے عرض کیا کہ یہ خوشخبری ہم لوگون کو سنادین آپ نے فرمایا بہشت مین سو درجہ ہین جو مجاہدین کے لئے تیار ہین یعنے وہ جہاد کرین گے تو ان درجون کو پاوین گے۔

اس فقرۂ اخیر حدیث ابوہریرہ میں جو مجاہدین کے لئے بشارت وارد ہے ایسا ہی جو اور روایات میں جہاد پر اجر و ثواب اور ترک جہاد پر ناخوشی اور وعید عذاب وارد ہے ہمارے مسئلہ اول کے مخالف نہیں کیونکہ یہ اسی صورت میں ہے کہ عبادت و ذکر سے مسلمان روکے جائیں اور جہاد کی ضرورت آپڑے چنانچہ مسئلہ دوم میں اسکی خوب تشریح ہوگی ؛

نتیجہ مسئلہ اولے

اس مسئلہ سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اسلام و ایمان کا کمال اور مسلمانوں کی نجات جہاد پر موقوف و منحصر نہیں مسلمانوں کو اگر دین سے روک نہو تو صرف عبادت سے ان کی نجات و کمال ایمان متصور ہے۔ لہٰذا اقوام غیر کا مسلمانوں کی نسبت یہ گمان کہ جو ان میں پکا اور مذہب کا سچا ہوگا وہ اپنے مخالفین مذہب سے جہاد کرنے کا ضرور ارادہ رکھتا ہوگا۔ محض غلط و بہتان ہے جو مذہب اسلام سے ناواقفی پر مبنی ہے ؛

دوسرا مسئلہ

مذہبی جہاد نہ اس غرض سے مشروع ہے کہ کافروں کو دنیا میں کفر کی سزا دیں

---

* کافر بمعنی منکر ہے۔ اور یہ لفظ اس معنی کر نسبتی امر ایسا وسیع ہے کہ ہر ایک فرقہ کو جو اور فرقہ کے جس سے وہ منکر ہو کافر کہا جا سکتا ہے۔ حتی کہ مسلمان خود اپنے آپ کو دوسرے مذاہب کا کافر بمعنی منکر کہتے ہیں۔ حضرت ابراہیم اور انکے اصحاب نے اپنے مخالفوں کو کہا ہے کہ ہم تمہارے کافر یعنی منکر ہیں کفرنا بکم (سورۂ ممتحنہ ع ۱) فمن یکفر بالطاغوت (سورۂ بقر) خدا نے فرمایا ہے جو طاغوت کا کافر ہوا اس نے مضبوطی کی [illegible] اسلام [illegible]

[illegible]

اور نہ اس غرض سے ہے کہ ان کو جبرًا مسلمان کریں اس جہاد سے غرض جو خدا و رسول کی کلام سے سمجھ مین آتی ہے یہ ہے کہ مسلمانون کو مخالفین مذہب کی مزاحمت* سے بچاوین اور خدا کی عبادت کا (جو مخلوق کی پیدائش اور رسولون کی بعثت سے مقصود خداوندی ہے) راستہ صاف کرین۔ اور اس راستہ سے روکنے والون کو راستہ سے ہٹا دین حق تعالی نے فرمایا ہے خدا کی راہ

وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین (بقر ع ۲۴)

مین ان لوگون سے لڑو جو تم سے لڑتے ہین اور اس سے آگے نہ بڑھو خدا حد سے بڑھنے والون کو دوست نہین رکھتا۔

قالوا وما لنا الا نقاتل فی سبیل اللہ وقد اخرجنا من دیارنا وابنائنا (بقر ع ۳۲)

اور قوم شمویل سے نقل فرمایا ہے کہ انہون نے اپنی نبی کو کہا ہم خدا کی راہ مین کیون نہ لڑینگے

---

* ایسا ہی فتح القدیر حاشیہ ہدایہ مین کہا ہے کہ جہاد سے مقصود نہ صرف امتحان مکلفین ہے بلکہ

المقصود منہ (ای الجہاد) لیس مجرد ابتلاء المکلفین بل اعزاز الدین ودفع شر الکفار عن المومنین بدلیل قولہ تعالی وقاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ ویکون الدین کلہ للہ۔ (فتح القدیر صفحہ ۱۹۲ جلد ۲)

دین کو اپنے اہل اسلام کو عزت دینا اور انکو کفار کی تکلیف ہی کو روکنا اس سے مقصود ہے جیسے خدا تعالی کا یہ قول دلیل ہے کہ تم کفار (تکلیف دہندون) سے لڑو تاکہ مسلمانون کو تکلیف نہ ہو اور دین سب ہی خدا کا ہو (یعنے اسکا کوئی مزاحم نہ ہے)

وما لکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ
والمستضعفین من الرجال والولدان
الذین یقولون ربنا اخرجنا من ھذہ
القریۃ الظالم اھلہا (نساء ع ۱۰)
ودوا لو تکفرون کما کفروا فتکونون
سواءً فلا تتخذوا منہم اولیاء حتی
یہاجروا فی سبیل اللہ فان تولوا فخذوھم
واقتلوھم حیث وجدتموھم ولا تتخذوا
منہم ولیاً ولا نصیراً الا الذین یصلون
الی قوم بینکم وبینہم میثاق او جاءوکم
حصرت صدورھم ان یقاتلوکم او
یقاتلوا قومہم ولو شاء اللہ لسلطہم
علیکم فلقاتلوکم فان اعتزلوکم ولم
یقاتلوکم والقوا الیکم السلم فما جعل اللہ
لکم علیہم سبیلاً (نساء ع ۱۲)
الا تفعلوہ تکن فتنۃ فی الارض وفساد
کبیر (انفال ع ۱۰)

جب ہم اپنے گھروں اور اولاد سے نکالے گئے
ہیں اور مسلمانوں کو مخاطب ہو کر فرمایا تمکو
کیا ہوا ہے تم خدا کی راہ میں اور عاجز
لوگوں اور بچوں کے لئے جو کہتے ہیں خدایا
ہمکو اس ظالموں کی بستی سے نکال نہیں لڑتے
اور فرمایا مکہ اور اسکے اطراف کے کافر چاہتے
ہیں تم بھی ویسے ہی کافر ہو جاؤ پس ایک جیسے
ہو رہو۔ تم انکو دوست نہ بناؤ جبتک خدا
کی راہ میں وطن نہ چھوڑیں یہ لوگ تمہارے
دشمن اور تمہاری دوستی سے منہ پھیرین تو
انکو پکڑو اور جہاں پاؤ مارو مگر ان کو جو تمہارے
عہد والوں سے جا ملیں یا وہ تم سے اور تمہارے
دشمنوں سے لڑنے کو پسند نہ کریں۔ خدا چاہتا
تو انکو تم پر مسلط کرتا اور وہ تم سے لڑتے اب جو وہ تم سے
کنارہ گزین ہیں اور تم سے نہیں لڑتے اور صلح کا پیام
دیتے ہیں تو خدا نے تمکو ان سے لڑنے کا رستہ نہیں دیا اور
فرمایا تم ظالموں سے نہ لڑو گے تو زمین میں سخت فساد پھیلیگا

ان اللہ یدافع عن الذین آمنوا ان اللہ
لا یحب کل خوان کفور - اذن للذین
یقاتلون بانہم ظلموا وان اللہ علی
نصرہم لقدیر الذین اخرجوا من
دیارہم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا
اللہ ولولا دفع اللہ الناس بعضہم
ببعض لہدمت صوامع وبیع وصلوات
ومساجد یذکر فیہا اسم اللہ کثیرا ط
(الحج ع ۲)

والذین اذا اصابہم البغی ہم ینتصرون
وجزاء سیئۃ سیئۃ مثلہا فمن عفا
واصلح فاجرہ علی اللہ انہ لا یحب
الظالمین (شوری ع ۴)

اور فرمایا خدا مسلمانوں سے ایذا کو روکتا ہے
وہ ناشکر خائنوں کو پسند نہیں کرتا جن سے
ظالم لوگ لڑتے ہیں انکو مظلوم ہونیکے سبب
لڑنے کی اجازت ہے خدا انکی مدد پر قادر ہے
وہ لوگ جو اپنے گھروں سے ناحق نکالے گئے ہیں
اسی بات کے سبب کہ انہوں نے کہا کہ ہمارا رب
اللہ ہے - اور اگر خدا لوگوں کو ایک دوسرے
سے نہ ہٹاوے تو گرجے* (عیسائیوں کے چرچ)
یہودیوں کے عبادتخانے اور مسلمانوں کی
مسجدیں جنمیں خدا کا نام لیا جاتا ہے یہی
ڈھائی جاتیں اور خدا ان نیک بندوں کی تعریف
میں فرمایا ہے جب انپر کوئی سرکشی کرتا ہے تو وہ اسکے
بدلہ لیتے ہیں اور برائی کا بدلہ اسکی برابر ہے سو جو معاف

---

* اس آیت سے صاف ثابت ہے کہ مذہبی جہاد سے نہ صرف مسلمانوں اور انکی مسجدوں کی حفاظت مقصود خداوندی ہے - بلکہ عیسائیوں اور یہودیوں اور انکے عبادتخانوں کی حفاظت بھی مقصود خداوندی تھا اور اسی غرض سے موسیٰ و یہودیوں نے بھی یہی جہاد کیا تھا - اور یہی لڑائی اور تعلیم [illegible] میں موسیٰ کی تھی انمیں عیسائی بھی جہادی تو تھے [illegible] [illegible]

ينهاكم الله عن الذين لم يقاتلوكم في
الدين ولم يخرجوكم من دياركم ان
تبروهم وتقسطوا اليهم ان الله يحب
المقسطين انما ينهاكم الله عن الذين
قاتلوكم في الدين واخرجوكم من دياركم
وظاهروا على اخراجكم ان تولوهم
ومن يتولهم فاولئك هم الظالمون ۔
(الممتحنة ع ۲)

کرے اور سنوارے اسکا اجر خدا پر ہے خدا ظالمون سے خوش نہین ہے اور فرمایا خدا تمکو ان لوگون سے سلوک و احسان کرنے سے مانع نہین جو تم سے دین کے سبب نہین لڑے اور تم کو تمہارے گھرون سے نہین نکالا خدا انصاف والون سے خوش ہے تم کو انہی لوگون کے ساتھ سلوک اور دوستی سے خدا روکتا ہے جو تم سے دین کے سبب لڑتے ہین اور تمہارے دشمنون کو تم پر مدد دے چکے ہین جو ان کو دوست سمجھین گے وہ ظالم ہین ۔

ان آیات مین صاف صاف بیان ہوا ہے کہ یہ جہاد اسی غرض سے مشروع ہوا ہے کہ مسلمان آزادی سے خدا کی عبادت کرین اور ان کے مخالف انکو عبادت وغیرہ شعایر اسلام سے نہ روکین اور وہ انہی لوگون سے مخصوص ہے جو مسلمانون سے لڑین اور ان کے مذہب مین دست اندازی کرین ۔

اس امر کو آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اور بھی تشریح سے بیان کیا ہے اور ان لوگون کو مذہبی جہاد و قتل سے مستثنے کر دیا ہے جو مسلمانون کے ساتھ لڑنے اور ان کے مذہب دست اندازی کرنے کا

اندیشہ نہین ہے ۔

از انجملہ اقوام غیر کی مستورات ہین جو لڑائی مین شریک و معاون ہون اور کسی کے مذہب سے تعرض نکرین ۔

از انجملہ ان کے بڈھے لوگ ہین جنکو لڑنے یا لڑانے سے بحث نہو ۔

از انجملہ چرچون کے گوشہ نشین لوگ جنکو اپنے ذکر و شغل سے مطلب ہو نکسی کے مذہب سے

از انجملہ قلی لوگ جنکو اپنی مزدوری سے کام ہوتا ہے نہ کیلئے کفر یا اسلام سے

از انجملہ وہ لڑکے جو لڑائی کے لایق نہین ہوتے باوجودیکہ وہ کفر کے عقاید رکھتے ہین چنانچہ حضرت رباح (یا ریاح) سے روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ و اصحابہ وسلم نے ایک لڑائی مین ایک عورت کو مقتول پایا تو یہ ارشاد فرمایا کہ یہ تو لڑائی نکرتی تھے (یعنے اسکو کیون مارا) اس لڑائی مین کمان افسر خالد بن ولید تھے ان کو حکم دیدیا کہ نکسی عورت کو مارین نکسی کو ایسا ہی حضرت ابن عمر سے مروی ہے اور حضرت انس سے روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے

فعن الرباح بن الربیع قال کنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فی غزوۃ فرای الناس مجتمعین علی شئی فبعث رجلاً فقال انظر ما اجتمع ھولاء فجاء فقال علی امرءۃ قتیل فقال ما کانت ھذہ قاتل قال وعلی المقدمۃ خالد بن الولید فبعث رجلا فقال قل لخالد لا

تقتلن امرأۃ ولا عسیفاً (رواہ ابوداؤد ص۳۶۳ ، وابن ماجہ ص۲۰۴)

وعن ابن عمر قال وجدت امرأۃ مقتولۃ فی بعض مغازی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فنہی عن قتل النساء والصبیان (رواہ البخاری ص۴۲۳ ومسلم ص۸۴ ج۲) وعن انس ؓ ان رسول اللہ صلعم قال انطلقوا بسم اللہ وباللہ وعلی ملۃ رسول اللہ ولا تقتلوا شیخاً فانیاً ولا طفلاً صغیراً ولا امرأۃ الحدیث (رواہ ابوداؤد ص۳۵۲ ج۱) - وعن بریدۃ کان رسول اللہ صلعم اذا امر امیراً قال لہ لا تقتلوا ولیداً الحدیث (رواہ مسلم ص۸۲ ج۲) وعن ابن عباس ان النبی صلعم قال لا تقتلوا الولدان ولا اصحاب الصوامع (رواہ احمد کذا فی الدرایۃ والنیل) وقد منع رسول اللہ صلعم ومنع اصحابہ قتل

ارشاد فرمایا کہ نہ بہت بڈھے کو (یعنی جو لڑائی کے کام کا نہ رہا ہو) مار لو نہ لڑکے کو نہ عورت کو ایسا ہی ہر ایک کمان افسر کو حکم دیتے جب اسکو لڑائی میں بھیجتے چنانچہ بریدہ نے آپ سے روایت کیا ہے اور حضرت ابن عباس ؓ نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ بچوں کو مارو نہ ان لوگوں کو جو صومعوں (حجروں) میں بیٹھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ جب آپ کسی قوم پر چڑھائی کرتے تو وقت صبح کے منتظر رہتے - پھر جب وہاں سے اذان صبح کی آواز سنتے تو ان پر حملہ کرنے سے رک جاتے یہ حضرت انس ؓ نے آنحضرت صلعم سے روایت کیا ہے اور حضرت عصام مزنی نے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلعم تو انکو

احیا من اهل قریة یری فیها مسجد او یسمع منها صوت اذان۔ فعن انس ان النبی صلعم کان اذا غزی بنا قوماً لم یکن یغیر بنا حتی یصبح و ینظر فان سمع اذاناً کف عنهم الحدیث رواه البخاری صـ۸۶) وعن عصام المزنی قال بعثنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فی سریة فقال اذا رأیتم مسجداً او سمعتم موذناً فلا تقتلوا احداً۔ (رواه ابوداؤد صـ۳۵۶ والترمذی صـ۲۰۲)

ایک لڑائی میں بھیجا تو ان کو بھی یہی ارشاد کر دیا کہ جہاں تم کوئی مسجد دیکھو یا اذان کی آواز سنو وہاں کسی کو نہ مار ڈالیو (وہاں کافر بھی بستے ہوں تو ان کو نہ مارو کیونکہ وہ مسلمانوں کو مسجد بنانے اور اذان کہنے سے مانع نہیں تو بلحاظ مذہب قتل کے مستحق نہیں)۔

ان اقوال نبوی سے مطلب آیات قرآنی کی جو ہم نے بیان کیا ہے خوب تشریح ہوئی اور یہ بات ثابت ہو گئی کہ مذہبی جہاد مسلمانوں سے مذہبی روک ٹوک ہٹانے کو ہے نہ کافروں کو دنیا میں سزائے کفر پہنچانے کو۔ یہ ہوتا تو حکم قتل و جہاد لڑنے والے کفار سے مخصوص نہ ہوتا۔ سبھی کافروں (بڈھوں۔ عورتوں۔ طفلوں۔ بالتبتّل خانہ نشینوں۔ مسجدوں اور اذانوں سے تعرض نہ کرنے والوں) کو قتل کر دینیکا حکم ہوتا۔ علی الخصوص راہبوں اور چرچ والوں کو جو مذہب عیسائی کے لیڈر ہیں۔

اب رہا ثبوت اس امر کا کہ یہ جہاد کافروں کو جبراً مسلمان بنانے اور زبردستی دین اسلام پھیلانے کے لئے نہیں ہے سو دلائل ذیل سے بخوبی ہوتا ہے

افانت تکرہ الناس حتی یکونوا مؤمنین (یونس ع ۱۰)
لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی ۔
(بقر ع ۳۴)

خدا تعالیٰ فرماتا ہے کیا تو لوگوں کو زبردستی مسلمان بناناچاہتا ہے ۔ اور فرمایا دین میں زبردستی نہیں ہے ۔ ہدایت گمراہی سے ممتاز ہو چکی ہے ۔

حضرت انسؓ ان آیات کے بیان شان نزول میں فرمایا ہے کہ انصار میں کوئی

روی ابن جبیر عن ابن عباس رضہ قال کانت المرأۃ تکون مقلاۃ فتجعل علی نفسہا ان عاش لہا ولد ان تہودہ فلما اجلیت بنو النضیر کان فیہم من ابناء الانصار فقالوا لا ندع ابناءنا فانزل اللہ عزوجل لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی (رواہ ابوداؤد حقانی) زاد فی المعالم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم قد خیر اصحابکم فان اختاروکم فہم منکم وان اختاروہم فاجلوہم معہم وقال مجاہد کان الناس مسترضعین

عورت لاولد ہوتی تو وہ یہ منت مانتی کہ اگر میرا بچہ زندہ رہا تو میں اسکو یہودی بناؤں گی ۔ پھر جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہود بنی نضیر کو جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ستاتے اطراف مدینہ سے جلاوطن کرنا چاہا تھا تو ان بچوں کی نسبت یہودیوں اور انکے وارثوں انصار کا جھگڑا ہوا ۔ انصار نے یہ دعوے کیا کہ یہ ہماری اولاد ہیں ہم ان کو جانے نہ دیں گے ۔ اسپر یہ آیات نازل ہوئیں یہ ابوداؤد کی روایت ہے تفسیر معالم میں کہا ہے

فی الیہود من الاوس فما امر النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باجلاء بنی النضیر قال الذین کانوا مسترضعین فیہم لنذہبن معہم ولندینن بدینہم فمنعوہم اہلوہم فنزلت لا اکراہ فی الدین الخ (معالم ص[illegible])

کہ اس موقع پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ان لوگوں کو اختیار ملگیا ہے یہ تمکو پسند کریں تو تم میں سے ہیں۔ یہودیوں کو پسند کریں تو انکے ساتھ یہ بھی جلاوطن ہوں۔

اس تفصیل سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ جبرًا مسلمان کرنا خدا کو پسند نہیں ہے۔ یہ ہوتا تو جبر کا یہ عمدہ موقع تھا ان انصار کے لڑکوں کو اپنے پاس رکھ لینے کا بظاہر خاصہ بہانہ تھا۔ ان مسایل کے شواہد آیندہ مسایل کے ضمن میں بھی آوینگے۔ انشاء اللہ تعالیٰ ؏

نتایج مسئلہ دوم

مسئلہ دوم اور اسکے دلایل آیات و احادیث سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اقوام غیر کا مذہب اسلام کی نسبت یہ گمان کہ وہ صرف مذہبی ناگواری سے لڑنا سکھاتا اور جبرًا اپنی تسلیم و اشاعت چاہتا ہے غلطی ہے اور ناواقفی پر مبنی

(۲) ایسا ہی بعض ناواقف مسلمانوں کا ہر ایک مخالف مذہب سے صرف مخالفت مذہبی کی نظر سے لڑنا اور ان کے جان و مال سے تعرض کرنا (جیسا کہ سرحدی ناواقف مسلمانوں کا دستور ہے) غلطی ہے اور ناواقفی پر مبنی

(۳) جو مخالفین اسلام کسی کے مذہب سے تعرض کرنا جائز سمجھیں۔ اور اس

مرکو خواہ بمقتضاے مداہنت خواہ بہدایت مذہب خواہ بحکم عقل و اصول سلطنت بہت برا سمجہیں (جیسا کہ برٹش گورنمنٹ کا حال وچال ہے) اُنسے مذہبی جہاد کرنا ہرگز جایز نہیں ◆

تیسرا مسئلہ

جس شہر یا ملک میں مسلمانوں کو مذہبی فرایض ادا کرنے کی آزادی حاصل ہو وہ شہر یا ملک دار الحرب نہیں کہلاتا ۔ پھر اگر وہ دراصل مسلمانوں کا ملک یا شہر ہو اقوام غیر نے اُنپر تغلب سے تسلط پالیا ہو (جیسا کہ ملک ہندوستان ہے) تو جب تک اُنمیں اداے شعایر اسلام کی آزادی ہے وہ بحکم حالت قدیم دار الاسلام کہلاتا ہے اور اگر وہ قدیم سے اقوام غیر کے قبضہ و تسلط میں ہو مسلمانوں کو اُن ہی لوگوں کی طرف سے اداے شعایر مذہبی کی آزادی ملی ہو تو وہ بھی دار الاسلام اور کم سے کم دار السِّلم* و الامان کے نام سے موسوم ہونے کا مستحق ہے ۔ ان دونو حالتوں اور ناموں کے وقت اس شہر یا ملک پر مسلمانوں کو چڑہائی کرنا اور اسکو جہاد مذہبی سمجھنا جایز نہیں ہے ۔ اور جو مسلمان اس ملک یا شہر میں بامن رہتے ہوں انکو اس ملک یا شہر سے ہجرت کرنا واجب نہیں بلکہ اور ملکوں یا شہروں سے (مشترک کیوں نہوں) جہاں انکو امن و آزادی حاصل نہو ہجرت کرکے اس ملک میں آرہنا موجب قربت و ثواب ہے ◆

---

* سلم بکسر سین یعنی صلح ضد جنگ ۔

اس شہر یا ملک پر چڑھائی نہ کرنے کے دلایل بضمن مسئلہ دوم گذر چکے ہین کہ جہان آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی مسجد دیکھتے یا وہان سے اذان کی آواز سنتے وہان حملہ نہ کرتے اور نہ اس حملہ کی اجازت دیتے۔

اس شہر یا ملک کو دار الاسلام کہنے کی دلیل یہ ہے کہ جب وہ ایک دفعہ دار الاسلام ہو چکا اور اسلام کے تسلط مین آچکا ہے تو جب تک جملہ شعایر اسلام اس سے موقوف نہون وہ دار الحرب یا دار الکفر کہلائے تو اسمین اسلام پر کفر کا غلبہ تاثیر ثابت ہوتا ہے اور آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے چنانچہ بخاری نے بطور تعلیق۔ اور دارقطنی نے بہ سند موصول روایت کیا ہے کہ اسلام غالب ہے۔ کفر اسلام پر غالب نہین ہوتا۔ اور یہی فقہاء حنفیہ کا قول ہے چنانچہ فتاوی عالمگیری اور فصول عمادیہ وغیرہ مین کہا ہے کہ دار الاسلام کبھی دار الحرب نہین ہو سکتا جبتک کہ شعایر اسلام سے ایک خصلت کا وجود بھی وہان رہے۔ ایسا ہی امام ماوردی نے کہا ہے ان کا قول عنقریب خاتمہ شواہد مسئلہ سوم مین منقول

الاسلام یعلو ولا یعلی۔

(بخاری ص ۱۸۰)

ان دار الاسلام لا یصیر دار الحرب اذا بقی شیء من احکام الاسلام وان زال غلبة اهل الاسلام ذکر سید ناصر الدین فی المنشور ان دار الاسلام انما صارت دار الاسلام باجراء احکام الاسلام فما بقی علقة من علائق الاسلام یترجح دار الاسلام فصول عمادیہ مثلہ فی عالمگیریہ

ہوگا ۔

دوسری صورت مین اس ملک کے دار الاسلام یا دار الامان ہونا اور متبرک و مقدس مواضع چھوڑکر اسکی طرف ہجرت کرنے پر دلیل یہ ہے کہ جناب رسالتمآب کے زمانہ مین ملک حبشہ عیسائی بادشاہ کے قبضہ و تسلط مین تھا اور دین اسلام کا وہان نام و نشان نہ تھا اور مکہ مکرمہ آپ کا اور سبھی مسلمانون کا مسکن اور قدیم سے متبرک و مقدس مکان تھا ۔ ولیکن اُنمین مسلمانون کو کفار بہت ستاتے تھے اور انکے دین مین بیجا مزاحمت کرتے ۔ اور بادشاہ حبشہ باوجود عیسائی ہونیکے کسی سے تعرض و ظلم کو پسند نہ کرتا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اُس کا یہ حال معلوم ہوا تو آپ نے اپنے اصحاب کو فرمایا کہ حبشہ کا بادشاہ نیک آدمی ہے وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا اور نہ اس کے

قال اهل التفسير ائتمرت قريش ان يفتنوا المومنين عن دينهم فوثبت كل قبيلة على من فيها من المسلمين يوذونهم ويعذبونهم فافتتن من افتتن وعصم الله منهم من شاء ومنع الله تعالى رسوله بعمه ابي طالب فلما راى رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم ما باصحابه ولم يقدر على منعهم ولم يومر بعد بالجهاد امرهم بالخروج الى ارض الحبشة وقال ان بها ملكا صالحا لا يظلم ولا يظلم عنده احد فاخرجوا اليه حتى يجعل الله للمسلمين فرجا واراد بها النجاشي و اسمه اصحمة وهو بالحبشة عطية

وانما النجاشی اسم الملک کقولہم قیصر
وکسری فخرج الیہا سرا احد عشر رجلا
واربع نسوۃ وہم عثمان بن عفان
وامرأتہ رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم وزبیر بن العوام
وعبد اللہ بن مسعود وعبد الرحمن
بن عوف وابو حذیفہ بن عتبہ و
امرأتہ سہلۃ بنت سہیل بن عمرو
ومصعب بن عمیر وابو سلمہ بن
عبد الاسد وامرأتہ ام سلمۃ بنت
ابی امیہ وعثمان بن مظعون وعامر
بن ربیعۃ وامرأتہ لیلی بنت ابی حثمۃ
وحاطب بن عمرو وسہیل بن
بیضاء فخرجوا الی البحر واخذوا
سفینۃ الی ارض الحبشۃ بنصف
دینار وذلک فی رجب فی سنۃ
الخامسۃ من مبعث رسول اللہ

ملک میں کوئی اور کسی پر ظلم کرتا ہے۔
تم وہاں چلے جاؤ تو امید ہے امن و
خلاصی پاؤ گے۔ اس ارشاد نبوی کے
موافق گیارہ آدمی اعیان صحابہ سے
جن میں حضرت عثمان اور آپ کے حرم
محترم رقیہ لخت جگر رسول اللہ اور حضرت
زبیر و حضرت ابن مسعود و حضرت
عبد الرحمن بن عوف وغیرہ شامل تھے
حبشہ کیطرف ہجرت کی یہ پہلی ہجرت
حبشہ ہے۔ ان کے بعد حضرت جعفر
بن ابی طالب وغیرہ صحابہ مکہ چھوڑ کر
حبشہ میں پہنچے یہاں تک کہ بیاسی
مسلمان اکابر وہاں جمع ہوئے اور
تقریباً چودہ پندرہ سال وہاں رہے
باوجودیکہ ان کی ہجرت سے نوین
سال آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم
مدینے پہنچ چکے تھے اور وہاں اچھیطرح

بعد الهجرة الاولى ثم خرج جعفر بن ابی طالب وتتابع المسلمون اليها وكان جميع من هاجر الی الحبشة من المسلمين اثنين وثمانين رجلاً سوی النساء والصبيان - (معالم التنزيل ص۲۰۰) ومثله فی شرح القسطلانی جلد ۶ ص۲۲۳ وبعض القصة فی صحيح البخاری ص۵۴۵ و ص۱۹ وفی شرح القسطلانی ص۲۲۳ جلد ۶ - وكتب له صلعم كتاباً يدعوه فيه الی الاسلام مع عمرو بن امية سنة ست من الهجرة واسلم على يد جعفر بن ابی طالب -

مستسلط ہو کر بدر و احد کی لڑائیوں میں کفار مکہ کو شکست دے کر مدینہ طیبہ کو کامل دارالاسلام بنا چکے تھے اور حبشہ اوسی طرح نصاریٰ کا ملک تھا۔ کیونکہ ہجرت نبوی کے چھٹے سال آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نجاشی شاہ حبشہ کو اسلام کی طرف بلایا اور اُسنے اسلام قبول کیا۔ اسپر بھی وہ پانچ چھ سال اس ملک نصاریٰ میں رہے ہجرت نبوی کے چھٹے سال کے ختم پر ساتویں کے شروع میں مدینہ طیبہ میں پہنچے ؛

یہ حالات ہجرت کتب حدیث صحیح بخاری قسطلانی شرح بخاری وغیرہ اور تفاسیر معالم وغیرہ میں تفصیل مذکور ہیں۔ اس اجمال سے جو ہمنے بیان کیا ہے صاف ثابت ہوتا ہے کہ جس شہر یا ملک میں زیر حکومت مخالفین مذہب کیوں نہو مسلمان شعایر مذہبی آزادی سے ادا کرسکیں وہ دارالحرب نہیں ہے دارالاسلام ہے یا کم سے کم دار اسلام

دارالامان مسلمانوں کو مقدس اور متبرک بلاد سے (اگر وہاں امن نہ پاویں) ہجرت کرکے ان میں آرہنا جائز و ضروری ہے انکو چھوڑ کر مقدس شہروں میں (اگر وہاں امن نہو) جا رہنا واجب یا جائز نہیں +

اسی نظر سے اکابر صحابہ حضرت ابن عمر و عائشہ صدیقہ نے فتح مکہ کے بعد جبکہ ہر جگہ امن قائم ہو گیا تھا ہجرت کو غیر ضروری کہا اور صاف فرما دیا تھا کہ ہجرت کا حکم اسوقت تھا جب کہ مسلمان اپنے دین کو بھگائے لئے پھرتے تھے۔ اس خوف سے کہ وہ دین کے سبب فتنہ میں مبتلا ہوں گے۔ آج اسلام کو خدا نے غلبہ دیا ہے (یعنے کوئی کسی مسلمان کو اسلام کے سبب تکلیف نہیں پہنچاتا) آج مومن جہاں چاہے خدا کی عبادت کرے۔ قسطلانی نے شرح بخاری میں اس حدیث کے ذیل میں کہا ہے کہ امام ماوردی نے فرمایا ہے جب مسلمان کو کفار کے شہر میں اظہار

ان عبد اللہ بن عمر کان یقول لا ہجرۃ بعد الفتح وحدثنی الاوزاعی عن عطاء بن ابی رباح قال زرت عائشۃ مع عبید بن عمیر اللیثی فسألناها عن الہجرۃ فقالت لا ہجرۃ الیوم کان المؤمنون یفر احدہم بدینہ الی اللہ والی رسولہ مخافۃ ان یفتن علیہ فاما الیوم فقد اظہر اللہ الاسلام والیوم یعبد ربہ حیث شاء (بخاری ص۵۵) قال القسطلانی فی شرح البخاری فقد اظہر اللہ الاسلام وفشت الشرائع والاحکام - یعبد ربہ حیث شاء فالحکم یدار مع

ن ذلک ـ وردی اذا قدر علی اظہار
دین فی بلد من بلاد الکفر فقد
صارت البلد بہ دار الاسلام فالاقامة
فیہ افضل من الرحلة لما یرجی من
دخول غیرہ فی الاسلام"

دین پر قدرت ہو تو وہ شہر دار الاسلام
ہو جاتا ہے اسمین رہنا اور بلاد اسلامیہ
کیطرف ہجرت کرنے سے افضل ہے کیونکہ وہان
رہنے مین اور لوگون کا اسلام مین داخل
ہونا متوقع ہوتا ہے +

ان اقوال مین بھی ہمارے بیان کی تائید پائی جاتی ہے - فللہ الحمد

مسئلہ سوم کے نتائج

(۱) اس مسئلہ اور اسکے دلائل سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ ملک ہندوستان باوجودیکہ عیسائی سلطنت کے قبضہ مین ہے دار الاسلام ہے - اسپر کسی بادشاہ کو عرب کا ہو خواہ عجم کا مہدی سوڈان ہو یا خود حضرت سلطان شاہ ایران ہو خواہ امیر خراسان مذہبی لڑائی وچڑھائی کرنا جائز نہیں ہے -

( ) اس زور و شور کی شہادت کتاب و سنت و اقوال علماء امت کے ساتھ اقوام غیر کا مسلمانون پر یہ گمان کہ جب قابو پائینگے گورنمنٹ سے مقابلہ پر آمادہ ہونگے کمال درجہ کی سینہ زوری و افترا پردازی ہے مسلمانون مین جبتک قرآن و حدیث و فقہ کا عمل جاری رہیگا ان سے یہ امر ہرگز سرزد نہوگا +

ہان کوئی کلمین کی طرح جسنے عیسائی ہوکر اپنے ہم مذہب اور ہم قوم ملک پر

گولی چلانی بھی مسلوب الحواس ہو جائے اور دین اسلام کا پاس چھوڑ دے تو اسکا کوئی ذمہ دار نہیں ہے ۔

چوتھا اور پانچوان مسئلہ

(۴) جن لوگون سے اسلام مین لڑائی اور مذہبی جہاد کرنے کا حکم آچکا ہے اُنسے بھی مسلمانون کو صلح کر لینے اور جب تک وہ مناسب سمجھین لڑائی موقوف کر دینے کی اجازت ہے ۔

(۵) اس عہد و صلح کے بعد عہد کو پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے اور مدت عہد مین اُن سے لڑنا اور در صورت خوف عہد شکنی جانب ثانی سے بلا فسخ عہد و اعلان فسخ اُن پر حملہ کرنا حرام ہے ۔

جواز عہد و مصالحت کی دلیل خدا تعالیٰ کا یہ قول ہے کہ اگر تیرے دشمن و مقاتل تجھ سے صلح کی درخواست کرین تو تو بھی صلح کی جانب مائل ہو ۔

وان جنحوا للسلم فاجنح لہا وتوکل علی اللہ ۔ (انفال ع ۸)

اس قول خداوندی کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و اصحابہ وسلم کا عمر بھر کا عمل رہا ہے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بہت سے کفار کے ساتھ غلبہ پانے کے بعد اور غلبہ سے پہلے صلح کی ہے اور مسلمانون کے اتفاق سے یہ مصالحت ثابت و جائز ہے ۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حدیبیہ کے سال کفار مکہ کے ساتھ صلح

کی۔ اور یہ بات قرار پائی کہ دس برس تک لڑائی بند رہے۔ اسمین لوگ امن پالین اور لغو یا ہتھیار لڑائی کا ڈھکا رہے نہ اسمین چھپی خیانت ہو نہ ظاہری دغا۔ اس صلح مین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کفار مکہ کی ایسی سخت شرطین مان لین جن مین بظاہر اسلام کی نہایت خفت تھی اور مسلمانون کی شکست۔ ازانجملہ یہ کہ اس سال مسلمان کعبہ کا حج نہ کرین اور ازانجملہ یہہ کہ کافرون مین سے کوئی مسلمان ہو کر آنحضرت صلعم کے پاس آتے تو اسکو آنحضرت صلعم واپس کرین مسلمانون سے کوئی مرتد ہو کر مکہ مین چلا جاوے تو کفار اسکو واپس نکرین اس شرط لکھنے کے اثنا مین ایک شخص (ابو جندل نامی) وکیل مشرکین مکہ کا بیٹا زنجیرون مین گھسٹتا ہوا آنحضرت کے

عن المسور بن مخرمة ومروان بن الحکم انهم اصطلحوا على وضع الحرب عشر سنين يأمن فيها الناس وعلى ان بيننا عيبة مكفوفة وانه لا اسلال ولا اغلال۔ (ابوداؤد مشکوٰۃ ج ۲) فقال النبی صلعم على ان تخلوا بيننا وبين البيت فنطوف به فقال سهيل والله لا تتحدث العرب انا اخذنا ضغطة ولكن ذلك من العام المقبل فكتب فقال سهيل وعلى انه لا يأتيك منا رجل وان كان على دينك الا رددته الينا قال المسلمون سبحان الله يرد الى المشركين وقد جاء مسلما فبينا هم كذلك اذ دخل ابو جندل بن سهيل بن عمرو يرسف في قيوده وقد خرج من اسفل مكة حتى رمى بنفسه بين

الی المسلمین فقال سہیل ھذا یا محمد
اول ما اقاضیک علیہ ان تردہ
الی فقال النبی صلعم انا لم نقض
الکتاب بعد قال فواللہ اذن لا اصالحک
علی شیء ابداً فقال النبی صلعم فاجزہ
لی فقال ما انا بمجیز ذالک قال بلی
فافعل قال ما انا بفاعل قال مکرز
بلی قد اجزناہ لک قال ابو جندل
ای معشر المسلمین ارد الی المشرکین
وقد جئت مسلماً الا ترون ما قد
لقیت وکان قد عذب عذاباً
شدیداً الحدیث (بخاری صفحہ ۳۸)

وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
لما ظہر علی خیبر اراد اخراج الیہود
منہا وکانت الارض حین ظہر علیہا للہ
ولرسولہ وللمسلمین فاراد اخراج الیہود
بہا فسالت الیہود رسول اللہ صلعم

پاس آپہنچا اور اس کے واپس کرنے
پر حضرت عمر وغیرہ مسلمانوں نے بہت
پیچ وتاب کھایا اور آنحضرت صلی اللہ
علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے بھی وکیل
مشرکین سے اس شرط سے اس شخص
کے مستثنیٰ کرنے کو بہت چاہا آخر
وکیل مشرکین کے نہ ماننے پر آنحضرت
صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اسکو
واپس کر دیا۔

خیبر کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
نے فتح کیا اور یہود کو اس زمین سے
نکالنا چاہا تو انہوں نے اس شرط پر
صلح کی درخواست کی کہ ہم اسی جگہ
رہیں گے اور پیداوار اراضی سے
نصف آنحضرتؐ کو دیتے رہیں گے
آنحضرتؐ نے اسکو قبول کیا اور یہہ
فرما دیا کہ جب تک خدا نے چاہا رہنے

بتر خیبر علی ان یکفوا عملها ولہم نصف الثمر فقال لہم رسول اللہ نقرکم بہا علی ذالک ما شئنا فقروا بہا حتی اجلاہم عمر الی تیماء واریحاء

(بخاری ص۳۱)

عن ابن عباس قال صالح رسول اللہ اہل نجران علی الفی حلۃ النصف فی صفر والنصف فی رجب یؤدونہا الی المسلمین عاریۃ ثلاثین درعاً وثلاثین فرسا وثلاثین بعیراً وثلاثین من کل صنف من اصناف السلاح یغزون بہا المسلمون ضامنون لہا حتی یردوہا علیہم ان کان بالیمن کید ذات غدر علی ان لا تہدم لہم بیعۃ ولا یخرج لہم قس ولا یفتنوا عن دینہم ما لم یحدثوا حدثاً او یاکلوا الربا قال اسمعیل فقد اکلوا الربا (ابو داؤد ص۴۲ ج۲)

ہم کو مناسب نظر آیا اسکو یہاں رہنے دیں گے سو پھر وہ اسی شرط پر وہاں رہے یہاں تک کہ خلافت عمری میں وہاں سے جلا وطن کئے گئے ۔

نجران کے عیسائیوں سے آپ نے اس شرط پر صلح کی کہ وہ سالانہ دو ہزار جوڑہ کپڑوں کا بطور خمس دیتے رہیں اور تیس زرہ اور تیس ۳۰ گھوڑے اور تیس ۳۰ اونٹ اور تیس ۳۰ ہتھیار لڑائی کے لئے بطور عاریت دیتے رہیں جن کو مسلمان بعد کار براری واپس کر دیں گے

ان کے حق میں مفید یہ شرطیں بھی ہیں کہ ان کے صوامع (چرچ) ڈھائے جائیں اور نہ ان کے علماء نکالے جائیں اور نہ انکو دین سے کوئی روک ٹوک ہو

جبتک کہ وہ نئی باتین نہ نکالین اور سود٭ نہ لین +

ان دلایل سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ جن کافرون سے جنگ و مقابلہ ہوا ان سے صلح کر لینی بھی جائز ہے (گو اس صلح مین بعض وجوہ سے مسلمانون کا نقصان ہو اور کافرون کا فایدہ) اگر مصلحت وقت اس صلح کی مقتضی ہو۔ اور عام نفع اہل اسلام اسمین متیقن ہو۔

صلح و عہد کے بعد غدر نہ کرنے کے دلائل کتاب و سنت مین بکثرت وارد ہین خدا کا یہ قول بضمن دلائل مسئلہ اول نقل ہو چکا ہے کہ جو لوگ تمہاری عہد والون سے جا ملین ان کو نہ مارو اور خدا نے فرمایا ہے جنسے تم نے مسجد الحرام کے پاس عہد کیا ہے جبتک وہ عہد پر قایم رہین تم بھی قایم رہو اور فرمایا اگر تمہارے بھائی تم سے دین مین مدد چاہین تو ان کو مدد دو مگر اس قوم پر ان کو مدد نہ دو جس سے تم عہد کر چکے ہو اور فرمایا عہد کو پورا کرو

دیکھو صفحہ (۱۱) رسالہ ہذا

الا الذین عاہدتم عند المسجد الحرام فما استقاموا لکم فاستقیموا لہم ان اللہ یحب المتقین (براۃ ع ۲)

وان استنصروکم فی الدین فعلیکم النصر الا علی قوم بینکم وبینہم میثاق واللہ بما تعملون بصیر (انفال ع ۱۰)

واوفوا بالعہد ان العہد کان مسئولا

٭ سود لینے کو اسلام نے انسانی اور ایمانی ہمدردی کے خلاف سمجھا ہے اسلئے ان پر یہ شرط کو قایم کیا +

(بنی اسرائیل ع ۴)
من لا یفی لذی عهد عهده فلیس منی
ولست منه (رواه مسلم)
وقال رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم
من قتل معاهدا لم یرح رائحة الجنه
وان ریحها لتوجد من مسیرة اربعین عاماً
(رواه البخاری ص۴۴۸)
ان الغادر ینصب له لواء یوم القیامة
فیقول هذه غدرة فلان بن فلان
(مسلم ص۸۳ ج۲ بخاری ص۴۵۱)
وقال رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم
من قتل معاهدا فی غیر کنهه حرم الله
علیه الجنة (رواه ابو داؤد ص۲۲ ج۲)
انی لا اخیس بالعهد (رواه ابو داؤد
ص۲۲ ج۲) وقال عمر بن الخطاب رض
واوصیه بذمة الله ورسوله ان یوفی لهم
بعهدهم وان یقاتل من ورائهم

عہد سے سوال ہوگا۔ اور آنحضرت
صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے
جو عہد والے کا عہد پورا نہ کرے گا وہ
ہم میں سے نہیں ہے اور نہ میں اُسکے
گروہ سے ہوں - آور فرمایا جو شخص
عہد والے کو مار ڈالے گا وہ بہشت
کی خوشبو نہ پائے گا باوجودیکہ چالیس برس
کے فاصلے سے اسکی خوشبو آتی ہے
آور فرمایا عہد شکن کے لئے قیامت کے
دن نشان کھڑا کیا جائے گا اور کہا
جائے گا یہ فلاں شخص کا غدر ہے -
آور فرمایا جو عہد والے کو بلا جرم مارے
اسپر بہشت حرام ہے -
اور فرمایا میں عہد شکنی نہیں کرتا اسکے
موافق حضرت فاروق نے اپنے جانشین
کو وصیت فرمائی ہے کہ وہ عہد والوں
کا عہد پورا کریں اور ان کی حمایت

(رواہ البخاری صفحہ ٤٢٩)

ہیں ان کے مخالفوں سے لڑتے ہیں*

جانب ثانی سے عہد شکنی کے خوف کے وقت بلا فسخ عہد و اعلان حملہ کرنے کی ممانعت کی دلیل یہ قول خداوندی ہے کہ جب تجھے کسی قوم سے عہد شکنی کا خوف ہو تو فسخ عہد کا پیام برابری پر اُن کو پہنچا دے خدا خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

واما تخافن من قوم خیانة فانبذ الیهم علی سواء ان الله لا یحب الخائنین (انفال ع ۸)

ایسا ہی آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے چنانچہ سلیم بن عامر نے نقل کیا ہے کہ امیر معاویہ اور رومیوں میں عہد مقرر تھا جب وہ گذرنے لگا امیر معاویہ نے اُنپر حملہ کا ارادہ کیا پس ایک شخص عربی یا ترکی گھوڑے پر سوار آیا اور بولا اللہ اکبر

عن سلیم بن عامر رجل من حمیر قال کان بین معاویة وبین الروم عهد وکان یسیر نحو بلادهم حتی اذا انقضی العهد

---

* یہ حکم حضرت فاروقؓ کا عام ہے ان مسلمان مخالفوں کو بھی شامل ہے جو مسلمانوں کی عہد والوں سے لڑیں - ان مسلمانوں کی مدد سے مسلمانوں کو کچھ بھی باک نہ ہے جو بصفحہ (۳۰) منقول ہو چکی ہے (وان استنصروکم فی الدین) ہمارے اس نوٹ کو ڈاکٹر ہنٹر صاحب توجہ سے ملاحظہ فرماویں اور انصاف سے کہیں کہ اسمیں انکے اس سوال کا جواب جو انہوں نے اپنی کتاب ہندوستانی مسلمان کے خاتمہ پر ایک حاشیہ میں علماء اسلام سے کیا ہے کافی اور گذشتہ کے حق میں مفید جواب ادا ہوا ہے یا نہیں ؟

غزاهم فجاء رجل على فرس او برذون وهو يقول الله اكبر الله اكبر وفاء لا غدر فنظروا فاذا عمرو بن عبسة فارسل اليه معاوية فسأله فقال سمعت رسول الله يقول من كان بينه وبين قوم عهد فلا يشد عقدة ولا يحلها حتى ينقضي امدها او ينبذ اليهم على سواء فرجع معاوية (رواه ابوداؤد ص۲۳ ج۲ والترمذی ص۱۹۲ ج۱)

وفا چاہیے نہ کہ غدر۔ امیر معاویہ نے دیکھا تو وہ عمرو عبسہ صحابی تھا امیر معاویہ نے ان کے آنے کا سبب پوچھا تو انہون نے فرمایا کہ مینے آنحضرت صلعم سے سُنا ہے کہ جسکا کسی قوم سے عہد ہو وہ اسکو فسخ نکرے جب تک مدت گذر نہ جائے یا برابر برابر فسخ عہد سے اسکو اطلاع دے جائے۔ یہ سنکر امیر معاویہ اس حملہ سے باز آگئے اور وہان سے پھر گئے +

مسئلہ چہارم و پنجم کے نتائج مسئلہ ششم و ہفتم کے نتائج کے ساتھ بیان ہون گے +

چھٹا و ساتوان مسئلہ

(۶) کافر (ظالم اور غیر مسلمانون مین مزاحم لائق جہاد ہی کیون نہون) جب مسلمانون کے شہرون اور ملک پر تغلب سے تسلط پالیتے ہین تو ان شہرون کے مالک و متصرف ہوجاتے ہین +

(۷) جب کسی کافر کے ملک یا شہر مین کوئی مسلمان امن چاہکر بسے تو وہ اسی عہد والے کی مانند ہوجاتا ہے جسنے صریح عہد دیا ہو۔ اسکو اس کافر سے غدر

کرنا اور اس کے جان و مال سے تعرض کرنا ایسا ہی حرام ہے جیسا کہ صریح عہد والون کی جان و مال سے تعرض حرام ہے ۔

غلبہ سے کافر کے مالک ہو جانے کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے کافرون کے اُن تصرفات کو جو انہون نے آپ کے اموال پر متسلط ہو کر کئے نافذ فرمایا ۔ اور خود تسلط پا کر ان کو بے محل و بے اعتبار نہین ٹھیرایا ۔ صحیح بخاری مین حدیث ہے کہ آنحضرت صلعم سے اسامہ نے حج کے ایام مین پوچھا یا رسول اللہ آپ مکہ مین اپنے کس گھر مین اُترین گے ۔ آپ نے جواب مین فرمایا عقیل نے ہمارا کوئی گھر چھوڑا ہے ؟ (یعنی سبھی گھرون پر تصرف کر لیا ہے) ۔

> عن اسامة بن زید انه قال یا رسول الله این تنزل فی دارک بمکة فقال هل ترک لنا عقیل من رباع او دور وکان عقیل ورث ابا طالب هو وطالب لم یرثه جعفر ولا علی شیئا لانهما کانا مسلمین وکان عقیل وطالب کافرین
>
> (بخاری ص[illegible])

اس ملک و تصرف عقیل کی ایک وجہ تو اسی حدیث مین بیان ہوئی ہے کہ ابو طالب کے وارث عقیل و طالب ہی ہوئی تھی نہ حضرت علی و جعفر کیونکہ وفات ابو طالب کے وقت عقیل و طالب کافر تھے ۔ اور حضرت جعفر اور حضرت علی مسلمان ہو چکے تھے مگر یہ وجہ بجز ملک و تصرف مکانات ابو طالب کے اور مکانات کے (جن مین آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مکان بھی

شامل تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں عقیل انکا وارث نہیں ہو سکتا تھا ؟ ملک وتصرف کی دلیل نہیں ہو سکتی۔

لہذا یہ وجہ ملک وتصرف (جو اس حدیث میں بیان ہوئی ہے) ابو طالب کے مکانات کے مالک ہوجانے سے مخصوص رہے گی اور آنحضرت کے مکان کے مالک ومتصرف ہوجانے کی وجہ وہی کہنی پڑیگی جو ہم نے بیان کی ہے کہ عقیل کا غلبہ وتسلط اس مکان پر ہوگیا تھا جسکو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نافذ فرمایا قسطلانی نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا ہے یہ گھر (جسکا حدیث میں ذکر ہے) آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جد ہاشم کی تھی پھر انکے بیٹے عبد المطلب کو پہنچی انہنے اپنی اولاد میں تقسیم کر دیئے پھر اپنے باپ عبد اللہ کا حق آنحضرت کو ملا اسی مکان میں آنحضرت صلعم تولد ہوئے تھے پیچھے فاکہی نے بیان کیا ہے آنحضرت کا یہ کہنا کہ عقیل نے ہمارا کوئی گھر نہیں چھوڑا اس سے ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس گھر کے مالک تھی اور اپنی ذات شریف

قیل ان ھذہ الدار کانت لہاشم بن
عبد مناف ثم صارت لابنہ عبد المطلب
فقسمہا بین ولدہ فمن ثم صار للنبی
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حق ابیہ
عبد اللہ وفیہا ولد النبی صلعم قالہ
الفاکہی ۔ وظاہر قولہ وہل ترك لنا
عقیل من رباع انہا کانت ملکہ و
اضافہا الی نفسہ فیحتمل ان عقیلا
تصرف فیہا کما فعل ابو سفیان
بدور المہاجرین ویحتمل غیر ذلك
* * * * * * وقال الداودی

وغیرہ کان کل من ھاجر من المؤمنین باع قریبہ الکافر دارہ فامضی النبی صلی اللہ علیہ وسلم تصرفات الجاھلیۃ تالیفاً لقلوب من اسلم منہم۔ (قسطلانی صفحہ جلد ۳)

کیطرف اس گھر کو آپ نے منسوب فرمایا ہے۔ پس عقیل کے مالک ہو جانے کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ عقیل نے اس گھر میں تصرف کر لیا ہو جیسا کہ ابو سفیان نے اور مہاجرین کے گھروں پر تصرف کیا تھا اور شاید اسکی وجہ کوئی اور بھی ہو۔

راقم کہتا ہے یہ تردد قسطلانی کا ہمارے مدعا کو ضرر نہیں پہنچاتا ہمارا مدعا یہ ہے کہ عقیل کے ملک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے گھر آجانے کی وجہ وراثت نہیں ہو سکتی۔ اسکی وجہ تغلب و تسلط ہے اگر ساتھ اور بھی وجہ ہو تو مضایقہ نہیں۔ پھر قسطلانی نے کہا ہے کہ داؤدی وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ ہر ایک مہاجر کا مکان اسکے قرابتی نے بیچ دیا پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے تصرفات زمانہ جاہلیت کو تالیف قلوب نو مسلموں کے لئے نافذ فرمایا (یعنے اپنا دخل و تصرف پاکر بھی انکو فسخ نہیں کیا) وہ تصرفات ناجائز ہوتے تو ضرور آپ مکہ پر متسلط ہو کر جسکا مکان کسی نے دبا کر فروخت کر دیا تھا وہ اسی کو دلواتے اور ظالم کے تصرف کو اٹھاتے۔

اس مسئلہ "تغلب کفار سے ثبوت ملک" میں مجتہدین کا اختلاف ہے۔ شافعی اور ایک جماعت قایل ہیں کہ کفار صرف غلبہ سے مسلمانوں کے اموال کے

وقد اختلف اهل العلم فی ذالک فقال الشافعی وجماعة لا یملک اهل الحرب بالغلبة شیئاً من المسلمین و لصاحبه اخذه قبل القسمة وبعدها وعن علی والزهری وعمرو بن دینار والحسن لا یرد اصلاً ویختص به اهل المغنم وقال عمر بن سلمان بن ربیعة وعطاء واللیث ومالک واحمد و آخرون وهی روایة عن الحسن ایضاً ونقلها ابن ابی الزناد عن ابیه عن الفقهاء السبعة ان وجده صاحبه قبل القسمة فهو احق به وان وجده بعد القسمة فلا یأخذه الا بالقیمة (نیل الاوطار ط ۱۹ ج ۷)

مالک نہین ہوتے لہذا جو مال مسلمانون کا کافرون کے ہاتھ مین چلا جاے وہ مسلمانون کے فتحیاب ہونے پر انہی مسلمانون کو ملے گا جن کا مال تھا حضرت علی و زہری و عمرو بن دینار و حسن بصری کہتے ہین کہ وہ کافرون کا مال ہو چکا تھا مسلمانون کے ہاتھ آئے گا تو ان سب کا ہوگا جنہون نے کافرون کو لوٹا ۔ عمرو بن سلمان ابن ربیعہ و عطا و لیث و امام مالک و امام احمد وغیرہ کا یہ قول ہے کہ وہ مال مسلمانون مین تقسیم ہو چکا ہو تو اصل مالک کو قیمت ملیگا تقسیم سے پہلے بلا قیمت بھی وہ لینے کا حقدار ہے اس مذہب سے بھی یہی بات ہوتی ہے کہ وہ مال کفار کے ملک مین آچکا تھا ۔

کتاب ہدایہ مین (جو حنفی مذہب مین ایک مشہور و معتبر کتاب ہے) کہا ہے کہ کفار ہمارے اموال پر غلبہ پائین تو ان کے مالک ہوجاتے ہین بشرطیکہ وہ ان کو اپنی جگے

واذا غلبوا علی اموالنا والعیاذ بالله
واحرزوها بدارهم ملکوها وقال
الشافعیؒ لا یملکونها لان الاستیلاء
محظور ابتداءً وانتهاءً والمحظور
لا ینتهض سبباً للملك علی ما عرف
من قاعدة الخصم ولنا ان الاستیلاء
ورد علی مال مباح فینعقد سبباً للملك
دفعاً لحاجة المکلف کاستیلاءنا علی
اموالهم وهذا لان العصمة تثبت
علی منافاة الدلیل ضرورة تمکن
المالك من الانتفاع فاذا زالت المکنة
عاد مباحاً کما کان غیر ان الاستیلاء
لا یتحقق الا بالاحراز بالدار لانه
عبارة عن الاقتدار علی المحل حالاً و
مآلاً والمحظور لغیره اذا صلح سبباً
لکرامة تفوق الملك وهو الثواب
الآجل فما ظنك بالملك العاجل

تسلط میں لیجائیں ۔ امام شافعی اس مسئلہ
کے مخالف ہیں وہ کہتے ہیں کفار کا
تغلب ہی ناجائز ہے تو وہ ملک کا سبب
کیونکر ہو سکتا ہے حنفیہ کی طرف سے اسکا
جواب یہ ہے کہ تغلب کفار بر اموال مسلمین
ہرگو ناجائز ہے مگر اس حالت میں اور اسوقت
تک کہ مسلمانوں کا اسپر تسلط و قبضہ ہو
اور جب وہ تسلط اٹھ گیا تو کافروں کا
تسلط ان اموال پر جائز ہوگیا اور وہ مال
مباح پر تسلط ٹھیرا وہ کہتے ہیں دراصل
ہر چیز سے ہر شخص نفع اٹھانیکا مستحق
ہے چنانچہ قرآن میں فرمایا ہے "خدا نے
تم سب کے لئے جو کچھ زمین میں ہے پیدا
کیا ہے" پھر خاص خاص چیزوں سے
خاص خاص لوگوں کو نفع اٹھانیکے لئے
خداتعالے نے قبضہ و تسلط کو سبب
بنا دیا ہے اور یہ حکم دے دیا ہے کہ

(ہدایہ صفحہ ۵۶۱ جلد ۱)

جنکی چیز ہو یعنے جسکے قبضہ و تسلط مین ہو وہی اس سے نفع اٹھاوے اور جب یہ قبضہ و تسلط اٹھ گیا تو وہ مال سب کے لئے مباح ہوگیا۔ پھر اسپر تغلب و تسلط مال مباح پر تسلط ہوگا اور وہ ملک کا سبب ہوسکے گا۔ جیسا کہ ہمارا تسلط ان کے اموال پر مال مباح پر تسلط اور ملک کا سبب ہوتا ہے *

امام شافعی کے مذہب کی تائید مین بعض علما یہہ حدیث پیش کرتے ہین جو صحیح مسلم مین صفحہ ۵۴ جلد ۲ منقول ہے کہ ایک عورت کفار کی قید مین آگئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و اصحابہ وسلم کی اونٹنی عضباء نامی بھی ان کے قابو مین آئی۔ وہ عورت ان کی قید مین تھی اور وہ لوگ اپنے اونٹون کو اپنے ڈیرون* کے سامنے رات کو لے آتے اور

عن عمران ابن حصین قال و اسرت امرأۃ من الانصار و اصیبت العضباء فکانت المرأۃ فی الوثاق وکان القوم یریحون نعمہم بین یدی بیوتہم فانفلتت ذات لیلۃ من الوثاق فاتت الابل فجعلت اذا دنت من البعیر رغا فتترکہ حتی تنتہی الی العضباء فلم ترغ قال وھی

---

* طحاوی کی روایت مین ہے چنانچہ فتح القدیر حاشیہ ہدایہ مین منقول ہے وکانوا اذا نزلوا یریحون ابلہم فی افنیتہم۔ یعنے وہ اس سفر مین منزل پر اترتے تو اونٹون کو اپنے آگے کے میدانون مین لے آتے۔ مطلب یہ ہے کہ بیوت کا ترجمہ ڈیرہ سے کیا ہے۔ وہان سفر مین بنے ہوے گھر نہ تھے وہی کپڑے کمبل وغیرہ کے ڈیرے تھے *

منوقة فقعدت فی عجزها فانطلقت
ونذروا بها فطلبوها فاعجزتهم قال ونذرت
لله عز وجل ان نجاها الله علیها لتنحرنها
فلما قدمت المدینة راها الناس فقالوا
العضباء ناقة رسول الله صلعم فقالت
انها نذرت ان نجاها الله علیها لتنحرنها
فاتوا رسول الله صلعم فذکروا ذالك
له فقال سبحان الله بئس ما جزتها
نذرت لله ان نجاها علیها لتنحرنها لا
وفاء لنذر فی معصیة ولا فیما لا یملك
العبد وفی روایة ابن حجر لا نذر فی
معصیة الله (صحیح مسلم ص۳۴ جلد ۲)

ٹھرایا کرتے ایک شب وہ عورت قید سے
چھوٹ گئی اور وہ اُن اونٹوں میں پہنچی
وہ جس اونٹ کے پاس جاتی وہ آواز
کرتا۔ لہذا وہ اسکو چھوڑ دیتی یہانتک
کہ عضباء اونٹنی کے پاس پہنچی تو وہ نہ
بولے کیونکہ وہ سواری میں لگی ہوئی
اور فرمان بردار تھی - وہ اسپر سوار ہو کر
چل پڑی - کفار کو علم ہوا تو وہ پیچھے
دوڑے مگر اسکو پکڑ نہ سکے اسوقت اسنے
یہ منت مانی کہ خدا نے اسکو کفار سے بچا
لیا تو وہ اس اونٹنی کو خدا کے نام پر ذبح
کرے گی - آنحضرت صلعم نے یہ بات سنی
تو فرمایا کہ اُسنے بُرا کیا جو اسکو بدلہ دیا۔ گناہ کی منت کا وفا واجب نہیں۔ اور نہ
اس چیز کی منت کا جسکا بندہ مالک نہو۔ اس حدیث سے استدلال کی وجہ وہ یہ
بیان کرتے ہیں کہ اس اونٹنی کی نسبت اس حدیث کا آخری فقرہ فرمایا گیا ہے وہ اونٹنی
تغلب سے کفار کی ملک آجاتی تو وہ عورت بھی اسکی مالک ہو جاتی اس صورت میں
آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس عورت کو یہ نہ فرماتے کہ جس چیز کا کوئی مالک نہو

اسکی منت کا وفا اسپر واجب نہیں۔

اسکا جواب **عینی حنفی** نے بنایہ شرح ہدایہ مین یہہ دیا ہے کہ وہ لوگ تھوڑا اس اونٹنی کو اپنے ملک مین لیجا نہ چکے تھے راستہ ہی مین وہ اس عورت کے ہاتھ لگی تھی اور کہا ہے تغلب سے کفار کی ملک تب ثابت ہوتی ہے جب وہ مسلمانوں کے مال کو اپنے ملک لیجائے و تسلط مین لیجائین۔ پھر کہا ہے ہماری (حنفیہ کے) دلیل قرآن مین یہ قول خداوندی ہے جسمین خدا نے فقرا مہاجرین کو صدقہ کا مصرف ٹھہرایا ہے اس قول مین خدا نے ان کو فقیر کہا ہے اور فقیر وہی کہلاتا ہے جسکے ملک مین کچھ نہو اور اگر کفار مکہ وغیرہ مہاجرین کے پس ماندہ اموال کے مالک ہو جاتے تو خدا ان کو فقیر نہ کہتا۔

> قلت ما كانوا احرزوها بدارهم واخذ المرأة العضباء كان قبله في الطريق وقبل الاحراز لا يثبت الملك ودليلنا من القرآن قوله تعالى للفقراء المهاجرين فالله تعالى سماهم فقراء والفقير من لا يملك فلو لم يملك الكفار اموالهم لما سموا فقراء (عینی شرح هدایه ص۳۲۰ جلد ۳)

ایسا ہی **شیخ ابن الہمام** نے **فتح القدیر** حاشیہ ہدایہ مین استدلال آیت قرآن کی تائید مین کہا ہے کہ جو شخص صرف کسی خاص مکان مین ہونے کے سبب اپنے مال کا مالک اور امیر قابض و متصرف

> وليس من لا يملك مالا وهو في مكان لا يصل اليه فقيرا بل هو مخصوص بابن السبيل - ولهذا اعطوا عليه في

ہو اسکو فقیر نہیں کہا جاتا ایسا شخص ابن السبیل کے نام سے مخصوص ہے۔

نفس الصدقہ (فتح القدیر ص ج ۲)

اور جواب حدیث عضباء کی تائید مین کہا ہے کہ اسپر روایت طحاوی مین یہ قول راوی شاہد ہے کہ وہ جب منزل پہ اُترتے تو اونٹوں کو سامنے کے میدان مین لے آتے تھے جس سے سمجھ مین آتا ہے کہ وہ ہنوز راستہ مین تھی کہ وہ عورت اس اونٹنی کو لے بھاگی۔

وحدیث العضباء کان قبل احرازهم بدارهم الی تری الی قوله کانوا اذا نزلوا الخ فانه تفهم منه انها فعلت ذلك وهم فی الطریق (فتح القدیر ص ج ۲)

مؤلف کہتا ہے - جو لوگ ان علماء کی اجابت کو غلط کہیں وہ اس سے بڑھکر صریح روایت سے ثابت کرین کہ وہ لوگ اونٹنی کو اپنے ملک دار الحرب مین لیجا چکے تھے اور جہاں وہ رات کو اونٹ بٹھاتے تھے وہ ان کے وطنی اور سکونتی مکانات کے صحن تھے۔

ایک جواب اس حدیث کا یہ بھی ممکن ہے کہ یہ حدیث نفی ملک متغلب و متسلط پر نص یا اشارہ نہیں ہے - اس حدیث مین جو فرمایا گیا ہے کہ جس چیز کا بندہ مالک نہو اسکی منت کا وفا اُسپر واجب نہیں ہے اس کا اس امر پر نص یا اشارہ ہونا متعین نہیں ہے کہ یہ اس عورت کے حق مین کہا گیا ہے - اور اس سے یہ مقصود ہے کہ وہ عورت اوس اونٹنی کے تغلب سے مالک نہین ہوئی اسلئے اسپر اس ذبح کرنے کی منت کا ایفا واجب نہیں "جائز" کہتا ہے کہ یہ

ایک جداگانہ حکم متعلق نذر بیان کیا گیا ہو۔ اس عورت کی نسبت اور اس کے حق میں وہی پہلا حکم ہو کہ گناہ کی منت کا وفا واجب نہیں ہے۔ اور اس سے یہ مقصود ہو کہ تیرا فعل معصیت ہے لہذا تجھ پر اسکا ایفا واجب نہیں ہے۔ اس فعل کا معصیت ہونا آپ کے اس لفظ سے بھی ثابت ہوتا ہے جو اس سے پہلے فرمایا ہے کہ تُجھنے یہ بُرا کام کیا جو اسکو بدلہ دیا۔ اور اگر اس قول نبی کو جسمیں ملک غیر میں وفا نذر کا واجب نہونا فرمایا گیا ہے اسی عورت کے حق میں خاص کیا جائے تو اسکی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ بوقت نذر اس عورت کا پورا تغلب تسلط نہوا تھا۔ اسوقت تک ممکن تھا کہ اوس اونٹنی کو اسکے مالک کفار (جو اسکے پکڑنے کو دوڑے تھے) اسکو چھین کر لیجاتے (گو اسکے بعد یہ امکان دور ہوا جب وہ تھک کر واپس ہوئے) اور یہ بھی ممکن تھا کہ آنحضرت صلعم اس اونٹنی کو (اپنے ملک سابق کے لحاظ سے بلکہ اموال غنیمت مسلمانوں سے حق استخلاص کی نظر سے خود لے لیتے (چنانچہ ایسا ہی ہوا) اور احتمال ہے کہ اسی حق اصطفا کی نظر سے اپنے اوس اونٹنی کو لے لیا ہو۔ پھر وہ باوجود قیام ان احتمالات کے اس عورت سے کیوں اس اونٹنی کو اپنے ملک سمجھ لیا اور اسکا ذبح کرنا مان لیا۔ علماء شافعیہ اور جو ان کے ہم خیال ہوں اس حدیث سے ان احتمالات کو اٹھا لیں تب اس حدیث سے تمسک کا نام لیں۔

اس بیان سے ثابت ہوا کہ امام ابو حنیفہ رح و امام مالک و امام احمد رح کا مذہب کہ

---

* کان للنبی صلعم من الغنائم ثلث حظوظ الخمس والصفی یصطفیہ لنفسہ من درع او سیف او جاریۃ وسہم کسہم احدہم (فتاوی حمادیہ صـ٢٢٣)

کافر تغلب سے اموال مسلمین کے مالک ہوجاتے ہین صحیح ہے اور آیات قران اور حدیث صحیح بخاری اس مذہب کے موید ہین اور اسکا خلاف تغلب سے انکا مالک نہونا چارون اماموں سے صرف شافعی کا مذہب ہے اسپر کوئی صریح دلیل نہین ہے۔ اور نہ اس مذہب پر چلنے والا ہندوستان مین کوئی نظر آتا ہے۔ بالجملہ ساکنین ہندوستان کے مذہب مین کافر تغلب سے مالک ہوجاتا ہے اور ہمارے مسئلہ تسلط مین ہندوستان کے اہل مذاہب کو نزاع کا محل نہین ہے ٭

کافرون کے ملک اور شہر مین امن چاہکر غدر نہ کرنے کے حرام

ہونے پر دلیل یہہ صریح حدیث صحیح بخاری وغیرہ کی ہے کہ مغیرہ بن شعبہ صحابی اپنی حالت کفر مین ہم مذہب قوم کے ساتھ ہوکر مصر مین گیا۔ وہان کے بادشاہ مقوقس نے اون لوگون کو احسان کیا اور مغیرہ کے احسان واکرام مین قصور کیا۔ اس سے مغیرہ کو رشک پیدا ہوا کیونکہ وہ ان کا ہم قوم تھا لہذا جب وہ واپس ہوکر رستہ مین شراب پی کر مخمور ہوئے اور سو گئے تو مغیرہ نے اس حالت نشہ اور نیند مین اُن کو

کان المغیرۃ بن شعبۃ صحب قوماً فی الجاہلیۃ فقتلہم واخذ اموالہم ثم جاء فاسلم فقال النبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اما الاسلام فاقبل واما المال فلست منہ فی شیٔ (رواہ البخاری ص۳۷۳ وفی روایۃ ابی داؤد ص۲۵ جلد ۲) واما المال فانہ مال غدر لاحاجۃ لنا فیہ۔ ق کان المغیرۃ قبل اسلامہ

صحب قوماً في الجاهلية من ثقيف من بني مالك لما خرجوا الى المقوقس بمصر فاحسن اليهم وقصر بالمغيرة فحصلت له الغيرة منهم لانه ليس من القوم فلما كانوا بالطريق شربوا الخمر فلما سكروا وناموا وثبهم فقتلهم جميعاً واخذ اموالهم فلما بلغ ثقيفاً فعل المغيرة تداعوا للقتال فسعى عروة عم المغيرة حتى اخذوا منهم دية ثلاثة عشر نفساً واصطلحوا فهذا هو سبب قوله اي عند رجوعه الى المدينة فاسلم فقال له ابو بكر ما فعل المالكيون الذين كانوا معك قال قتلتهم وجئت باسلابهم الى رسول الله صلى الله عليه وسلم لتخمس او يرى فيها رايه فقال النبي صلى الله عليه وآله وسلم اما الاسلام

غدر کیا - ان کو قتل کر ڈالا - اور ان کا مال لوٹ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام کا اظہار کیا - جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تیرے اسلام کو تو ہم نے قبول کیا پر اس مال سے ہم کو کچھ تعلق وحاجت نہیں ہے - کیونکہ یہ غدر کا مال ہے قسطلانی نے مال مخمس ہونے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ مال مشرکین (یعنے جو لڑائی کے لائق ہوں) اگرچہ تغلب و تسلط اہل اسلام کے وقت مال غنیمت کہلاتا ہے (جو حلال ہے) پر امن کی حالت میں اس مال کا ان سے جبراً لے لینا حلال نہیں ہے - اور جب انسان کسی کے ساتھ ہو کر چلتا ہے تو اپنے ساتھی کو یہ جتاتا ہے کہ

فاقتل ای اقتل واما المال فلست منه فی شیٔ ای لا اتعرض له لکون اخذه غدرا لان مال المشرکین وان کانت مغنومة عند القهر فلا یحل اخذها عند الامن فاذا کان الانسان مصاحبا لهم فقد امن کل واحد منهما صاحبه فسفک الدماء واخذ الاموال عند ذلک غدر والغدر بالکفار وغیرهم محظور انتہی مختصرا

(قسطلانی صـ۳۵ جلد ۵)

میں تیرے جان و مال سے تعرض نہیں کروں گا - اور میں نے تجھے امن و عہد دیا اس کے بعد اس کا خون بہانا اور مال لوٹ لینا غدر ہے اور غدر کافروں کے ساتھ کیوں نہو حرام ہے ۔

اس حدیث میں جب صرف ملکر رستہ چلنے کو حکماً و معنیً امن و عہد ٹہرایا اور اس امن و عہد کے خلاف کو غدر قرار دیا ہے تو میں ملک و بلاد کفار میں جو ابتداء سے ان کے ملک ہوں یا تغلب سے ان کے تسلط میں ہوں امن چاہ کر رہنا اور اسمیں امن و آزادی کے ساتھ عمر بسر کرنا کیونکر امن و عہد نہو گا اور اسکا خلاف کیوں نہ غدر قرار پائے گا ۔

مسئلہ چہارم و پنجم و ششم و ہفتم کے نتائج

ان مسائل اربعہ اور ان کے دلائل کے نتائج بیان کرنے سے پہلے دو امر واقعی نفس الامری کا بیان ضروری ہے

امر اوّل یہ کہ ملک ہندوستان پر برٹش گورنمنٹ کا پورا قبضہ و تسلط ہے۔ کوئی ذی شوکت سلطنت اس قبضہ و تسلط کی مزاحم نہین ہے۔

امر دوم یہ کہ مسلمان جو ہندوستان مین اقامت گزین ہین تین قسم مین منقسم ہین ٭

قسم اوّل اسلامی ریاستون کے رئیس با اختیار (جیسے رئیس ٹونک۔ رئیس رامپور رئیسہ بھوپال۔ رئیس حیدرآباد۔ وغیرہ)

دوم اُن رئیسون کی ماتحت رعایا۔

قسم سوم خاص برٹش گورنمنٹ کی رعایا جو کسی اسلامی ریاست کے ماتحت نہین۔ ان تینون اقسام سے ہر ایک قسم کا برٹش گورنمنٹ سے دوستی و ترک مقابلہ و لڑائی کا عہد ہو چکا ہے۔

قسم اول نے تو گورنمنٹ سے صریح لفظی اور حقیقی عہد لکھدیا ہے کہ وہ گورنمنٹ سے کبھی مخالفت نہ کرین گے اور ہمیشہ اس کے مددگار رہین گے اور ایسا ہی اسوقت تک وہ کرتے رہے ہین قسم دوم کا عہد ان کے رئیسون کے عہد مین داخل و شامل ہے یہ امر اس حدیث بخاری سے ثابت ہوتا ہے جس مین یہ ارشاد ہے کہ سبھی مسلمانون کا ذمہ ایک ہوتا ہے ادنے شخص کسی سے عہد کر لے اور لڑنے مارنے سے امان دے تو اورون کو اس عہد کا پورا کرنا لازم ہو جاتا ہے

باب ذمة المسلمين وجوارهم واحدة يسعى بها ادناهم الخ (صحیح بخاری صـ [illegible]

پس یہ جانے کہ اعلیٰ طبقہ قوم کے رئیسوں اور سرداروں نے کسی کو عہد و امن دیدیا ہو قسم ثالث سے بعض اشخاص کا تو صریح لفظی و حقیقی عہد ہو چکا ہے یہ وہ لوگ ہیں جو تحریراً و تقریراً حاضر و غائب خیر خواہی و وفاداری گورنمنٹ کا دم بھرتے ہیں اور ان کی خدمت و معاونت میں سرگرم ہیں ان ہی لوگوں میں پنجاب کے اہلحدیث داخل ہیں۔ جنہوں سر ہنری ڈیوس صاحب بہادر کے عہد لفٹنٹ گورنری میں بذریعہ ایک عرضداشت کے اس عہد کا اظہار کیا تھا جسپر [illegible] میں پنجاب گورنمنٹ سے ایک سرکلر بھی ان کی تصدیق و تائید میں مشتہر ہوا تھا ۔ اور باقی تمام مسلمانوں کا جنہوں نے کبھی کچھ قلم یا مونہہ سے عہد نہیں کیا معنوی و حکمی عہد ہو چکا ہے اس عہد (حکمی و معنوی) سے کوئی شخص سکان ہندوستان سے خالی نہیں ہے ۔ کیونکہ وہ سالہا سال سے امن چاہکر گورنمنٹ کی رعایا کہلاکر امن و آزادی سے زیر حکومت گورنمنٹ اوقات بسر کر رہے ہیں نہ برملا مقابلہ و مخالفت کے وہ مدعی ہیں اور نہ جاسوس بنکر دار الحرب کے بسنے والوں کی طرح خفیہ سکونت رکھتے ہیں ۔ بلکہ مغیرہ بن شعبہ سے (جسکا حال بصفحہ (۴۴) بیان ہوا ہے) بڑھکر اپنی زبان حال سے عہد و امن کا اظہار کر رہے ہیں ۔ امور واقعیہ کا بیان تمام ہوا ۔ اب اصل نتایج کو بیان کیا جاتا ہے ۔

ان مسایل (نمبر ۴ و ۵ و ۶ و ۷) سے اور ان کے دلایل سے بلحاظ ان دو امور واقعیہ کے صاف اور یقینی طور پر ایک یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ مسلمانان ہندوستان کے

تینون قسم کا (جب تک کہ وہ اپنے عہدون پر (لفظی وحقیقی ہون خواہ معنوی و حکمی اصلی ہون خواہ ضمنی) قائم رہین اور اس گورنمنٹ کے ماتحت رہین۔ اور ان عہدون کو علانیہ طور پر اٹھا کر یا حکومت گورنمنٹ سے باہر جا کر اپنے ارادہ مخالفت سے برملا گورنمنٹ کو اطلاع نہ دین) اس گورنمنٹ سے لڑنا یا اُن سے لڑنے والون کی (ان کے بھائی مسلمان کیون نہون) کسی نوع سے مدد کرنا صریح غدر اور حرام ہے ۔

اس نتیجہ کو ناواقف اہل اسلام ملاحظہ فرما کر پیش نظر رکھین اور صرف کفر کی نظر سے ہر ایک مخالف مذہب سے جنگ ومقابلہ کرنے کو شرعی جہاد نہ سمجھ لیا کرین۔ عہد وامن والون سے لڑنا ہرگز شرعی جہاد (ملکی ہو خواہ مذہبی) نہین ہو سکتا ہے بلکہ غدر وفساد کہلاتا ہے مفسدہ ۱۸۵۷ء مین جو مسلمان شریک ہوئے تھے وہ سخت گناہگار اور بحکم قرآن وحدیث وہ مفسد وباغی بدکردار تھے ۔ اکثر ان مین عوام کالانعام تھے بعض جو خواص وعلماء کہلاتے تھے وہ بھی اصل علوم دین (قرآن وحدیث) سے بے بہرہ تھے یا نافہم وبے سمجھ - باخبر وسمجھدار علماء اس مین ہرگز شریک نہین ہوئے اور نہ اس فتوی پر جو اس غدر کو جہاد بنانے کے لئے مفسد لئے پھرتے تھے انہون نے خوشی سے دستخط کئے ۔ اسکی تفصیل ہم اشاعۃ السنہ نمبر ۱۰ جلد ۹ مین کر چکے ہین - یہی وجہ تھی کہ مولوی اسمٰعیل دہلوی جو حدیث وقرآن سے باخبر اور اس کے پابند تھے اپنے ملک ہندوستان مین

انگریزون سے (جنکے امن و عہد مین رہتے تھے) نہین لڑے اور نہ اس ملک کی ریاستون سے لڑے ہین۔ اس ملک سے باہر ہوکر قوم سکھون سے (جو مسلمانون کے مذہب مین دست اندازی کرتے تھے کیکو اونچے اذان نہین کہنے دیتے تھے) لڑے۔ اسکی تفصیل بھی اپیل سید احمد خان صاحب سی۔ ایس۔ آئی کے رسالہ جواب ڈاکٹر ہنٹر سے اشاعۃ السنہ نمبر ۱۰ جلد ۵ مین گذر چکی ہے۔

دوسرا نتیجہ ان مسایل اور ان کے دلایل سے یہ پیدا ہوتا ہے کہ بعد علم ان مسایل کے کہ "مذہب اسلام مین اہل حرب کفار سے بھی دوستی و عہد جایز ہے اور عہد والون سے لڑنا حرام ہے اور جس ملک پر کفار متسلط ہوجائین اسکے وہ مالک ہوجاتے ہین اور کافرون کے ملک مین با امن رہکر یا امن جتاکر ان سے لڑنا اور غدر کرنا حرام ہے" بعض خیرخواہان گورنمنٹ کا مسلمانون پر یہ گمان کہ وہ جب کبھی قابو پائین گے گورنمنٹ پر تلوار چلائین گے اور جو ان مین مذہب کے پکے اور دعوے اسلام مین سچے ہین وہ اس کام مین سب سے پیش قدم نکلین گے محض بہتان ہے۔ اس گمان کے مرتکب مدعیان خیرخواہی سلطنت ان مسایل سے ناواقفی کے سبب یہ گمان رکھتے ہین تو اب وہ ان مسایل کو پڑھکر اس بدگمانی سے باز آئین۔ اگر وہ دیدہ و دانستہ ان پر یہ تہمت لگاتے ہین تو اس مین وہ اسقدر غور کرین کہ اس بدگمانی مین نہ صرف رعایا اہل اسلام کا ضرر ہے۔ بلکہ اسکا اثر و ضرر سلطنت کو بھی پہنچتا ہے۔ سلطنت کو رعایا سے

بدگمانی رہیگی تو وہ کب محل اعتماد اور مورد خاص عنایات سلطنت ہون گے ۔ اور کیونکر کشادہ دلی اور جوش سے اپنا فرض اطاعت و امانت سلطنت کو ادا کرینگے اور سلطنت کے پاؤن بھی بے خدشہ و بے کھٹک کب جمین گے ۔ کیا اچھا کہا گیا ہے + ؂

رعیت چو بیخ ست سلطان درخت ۔ درخت اے پسر باشد از بیخ سخت

ایسا ہی ایک اور شعر ہے + ؂

مراعات دہقان کن از بہر خویش ۔ کہ مزدور خوشدل کند کار بیش

خیرخواہان ملک و سلطنت اب بھی اس بدگمانی کو دماغ سے نکال ڈالین ۔ اور رعایا و سلطنت کو باہم شیر و شکر ہو کر ملک مین امن قایم کرنے دین +

مسئلہ ہشتم و نہم و دہم

(۸) کافر مسلمانون کے مذہب مین مزاحم بھی ہون ۔ اور ان کی شوکت و رعب بھی ہو ۔ اور ان سے کسی مسلمان رئیس یا رعایا کی دوستی و عہد بھی نہو ۔ اور ان کے ملک و امن مین مسلمان رہتے نہ ہون ۔ تو ان شرطون اور صورتون مین بھی اُن سے جہاد تب ہی واجب و جائز ہے ۔ کہ مسلمانون مین ایسی جمعیت حاصل و جماعت موجود ہو جسمین انکو کسر شوکت اسلام کا خوف نہو ۔ فتح و غلبہ اسلام کا ظن غالب ہو +

(۹) ان ہی شرطوں اور صورتوں میں ایک بڑی بھاری شرط شرعی جہاد کی یہ ہے کہ مسلمانوں میں امام و خلیفہ وقت موجود ہو ۔

(۱۰) مسلمانوں پر ایسی بھی مجبوری کی حالت جائز اور ممکن الوقوع ہے کہ نہ انکی کوئی جماعت ہو نہ ان کا کوئی امام و مجتہد اور وہ گنہگار نہوں ـ اور تارک فرض قرار نہ پائیں شریعت قابل طاعت دلیل خداتعالیٰ کا یہ قول ہے کہ خدا تعالیٰ نے ایک کا مزاحم سے مقابلہ کرنا تمکو معاف کر دیا ہے ـ اب اگر تم میں ایک سو صابر اشخاص ہوں تو وہ دو سو کفار سے غالب آسکتے ہیں یعنے ایک سو دو سو کا مقابلہ کرے ـ اور یہ قول خداوندی کہ لڑنے والوں کے لئے جہانتک طاقت رکھو تیر اندازی اور گھوڑے بہم پہنچاؤ جس سے تم اپنے اور خدا کے دشمن کو ڈراؤ ۔

> الآن خفف الله عنكم وعلم ان فيكم ضعفا فان يكن منكم مائة صابرة يغلبوا مائتين وان يكن منكم الف يغلبوا الفين باذن الله والله مع الصابرين (انفال ع۹) واعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم (انفال ع۹)

فتاوی عالمگیری میں جو حنفی مذہب میں ایک مشہور و معتبر فتاوی ہے لکھا ہے جواز عہد کے لئے دو شرطیں ہیں ایک یہ کہ دشمن اطاعت قبول نکرے ـ اور وہ مسلمانوں کے عہد و امان میں بھی نہو ـ دوسری شرط یہ

> اما شرط اباحته فشيئان احدهما امتناع العدو عن قبول ما دعي اليه

من الدین وعدم الامان والعهد بیننا وبینهم - والثانی ان یرجو الشوکة والقوة لاهل الاسلام باجتهاده او باجتهاد من یعتقد فی اجتهاده ورایه وان کان لا یرجو القوة والشوکة للمسلمین فی القتال فانه لا یحل له القتال لما فیه من القاء نفسه فی التهلکة - کذا فی محیط السرخسی

(فتاوی عالمگیری)

ولا تلقوا بایدیکم الی التهلکة -

(بقرة ع ٢٣)

ہے کہ مسلمانوں کو اپنے غالب و فتحیاب ہونے کی امید ہو - اور اگر مسلمانوں کو اپنی قوت اور شوکت کی امید نہ ہو تو پھر ان کو لڑنا اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالنا ہے (یعنی جسکی نسبت قرآن میں یہ حکم ہے کہ "اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو") ایسا ہی سرخسی کے محیط میں ہے -

اور کفایہ حاشیہ ہدایہ میں ہے کہ جہاد کی شرط یہ ہے کہ جہاد کرنے والے صاحب وسعت ہوں اور دشمن کے دفعیہ (مدافعت) کی طاقت رکھیں - عجز و کمزوری کے ساتھ جہاد کا حکم نہیں ہے - ایسا ہی مستخلص شرح کنز میں ہے -

والشرط فی ذلک ان یکون القائمون به من اهل القدرة علی الدفاع لان التکلیف لا یتاتی مع العجز -

(کذا فی الکفایة والمستخلص شرح کنز)

جہاد کے لئے امام کے موجود ہونے کی شرط پر یہ حدیث دلیل ہے جو بخاری و مسلم نے اپنی کتابوں میں نقل کی ہے کہ امام ڈھال

> عن ابی هریرة عن النبی ﷺ قال انما الامام جنة یقاتل من ورائه ویتقی به (بخاری ۴۱۵ مسلم ۱۲۶)

ہے اسکی آڑ میں لڑیں اور اسکو اپنا بچاؤ بناویں۔

> انما الامام جنة ای کالستر لانه یمنع العدو من اذی المسلمین ویمنع الناس بعضهم من بعض ویحمی بیضة الاسلام ویتقیه الناس ویخافون سطوته ومعنی یقاتل من ورائه ای یقاتل معه الکفار والبغاة والخوارج وسائر اهل الفساد والظلم مطلقاً۔
>
> (شرح مسلم ط۱)

اس حدیث کی شرح میں امام نووی نے کہا ہے کہ امام مسلمانوں کے لئے آڑ یا پردہ کی مثل ہوتا ہے مسلمانوں کو دشمنوں کی تکلیف سے بچاتا ہے۔ اس کی آڑ میں لڑنے کے یہ معنے ہیں کہ اس کے ساتھ ہو کر کافروں سے (یعنے جو لڑنے کے لائق ہوں) اور باغیوں اور خارجیوں وغیرہ اہل فساد وظلم سے (لڑیں)۔

> انما الامام ای الخلیفة او امیره جنة بضم الجیم کالترس فهو تشبیه بلیغ یقاتل بصیغة المجهول من ورائه وبکسر المیم یأتی به بیان لکونه جنة ای یکون امیر فی الحرب قدام القوم لیستظهروا

اور ملا علی قاری نے مرقاۃ میں اس حدیث کی شرح میں کہا ہے۔ کہ امام سے مراد خلیفہ وقت ہے یا جو اسکا تجویز کیا ہوا امیر ہو وہ سپر کی مانند ہوتا ہے۔ جس کے آڑ میں لڑیں اور اس کو اپنا بچاؤ بناویں یہ اس کے سپر ہونے کا بیان ہے کیونکہ امام یا اس کا نائب امیر لڑائی میں قوم کے آگے ہوتا ہے۔ لوگ اُسی کی مدد اور قوت سے لڑتے ہیں

ولذا قلنا بقوته کالترس للمتترس والاولی ان یحمل علی جمیع الاحوال لان الامام یکون ملجأً للمسلمین فی حوائجہم دائماً (مرقاۃ ملا علی قاری)	اور اگر اسکو ہر حال مین (لڑائی ہو یا نہو) سپر کہین تو بہتر ہے کیونکہ امام مسلمانون کا ان کے سب کامون مین جائے پناہ ہوتا ہے +

ایسا ہی شیخ عبد الحق نے شرح مشکوۃ مین کہا ہے اور مولوی محمد اسمعیل مرحوم دہلوی نے (جو گروہ اہلحدیث کے ایک ذی ممبر تھے) رسالہ منصب امامت مین احکام خلیفہ راشد کے بیان مین کہا ہے وازانجملہ توقف عبادات شرعیہ بر تحقق امر او یعنے چنانکہ عبادات دینیہ و طاعات شرعیہ اگر مطابق سنت نبویہ باشد مقبول است و الا مردود ہمچنان صحت جمعہ و اعیاد و جہاد و حدود و تعزیرات ہمہ متوقف است بر امر امام قال النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم انما الامام جنۃ یقاتل من ورائہ و یتقی بہ اور اس مسئلہ کی تائید ان عبارات مین بھی موجود ہے جو سوال آئندہ کے جواب مین منقول ہونگی جن مین صاف تصریح ہے کہ جہاد کرنا امام ہی کا کام ہے۔

یہان یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ امام جس کو اس حدیث مین جہاد کے لئے شرط ٹھہرایا گیا ہے کسکو کہتے ہین اور اس مین کن کن اوصاف و شروط کا پایا جانا اسلام و اہل اسلام نے ضروری قرار دیا ہے۔ اور ان شروط و اوصاف کا آج اس زمانہ مین کسی حصہ زمین مین موجود ہے یا نہین +

اس کا جواب یہ ہے کہ اسلامی کتابوں میں امامت کے دو قسم بیان ہوئے ہیں ایک چھوٹی امامت جو نماز کے پیش امام میں پائی جاتی ہے دوسری بڑی امامت جو خلیفہ وقت اور امام زمانہ میں پائی جاتی ہے ۔ اس حدیث میں وہی امام مراد ہے جسمیں امامت قسم دوم پائی جاتی ہے ۔ کیونکہ اس حدیث میں لڑائی کے آگے ہونا اور مسلمانوں کو ان کے دشمنوں سے بچانا امام کا کام بیان کیا گیا ہے ۔ جو امام قسم اول کا کام نہیں ہے ۔ اس امام قسم ثانی کے لئے کتب فقہ وعقاید میں بہت سی شرطیں بیان ہوئی ہیں جو ایک مدت سے یک قلم مفقود ہیں ۔ درمختار میں ہے ۔ امامت دو قسم ہے چھوٹی اور بڑی ۔ بڑی امامت لوگوں پر عام تصرف و اختیارات کے استحقاق کا نام ہے جسکی تحقیق علم کلام میں ہے ۔ ایسے امام کے لئے یہ شرطیں ہیں کہ وہ مسلمان ہو ۔ غلام نہو ۔ مرد ہو ۔ عورت یا بچہ نہو عقلمند صاحب قدرت ہو اور قریشی ہو ۔ یہ شرط نہیں کہ وہ خاص ہاشمی یا علوی ہو اور معصوم ہو ۔ چھوٹی امامت اس تعلق کا نام ہے جو نماز ک

باب الامامة ھو صغری وکبری فالکبری استحقاق تصرف عام علی الانام وتحقیقه فی علم الکلام ونصبه اھم الواجبات فلذا قدموه علی دفن صاحب المعجزات ویشترط کونه مسلماً حراً ذکراً عاقلاً بالغاً قادراً قرشیاً لا ھاشمیاً علویاً معصوماً ۔ والصغری ربط صلوة المؤتم بالامام (درمختار صـ)

غرض امام کو مقتدیوں سے ہوتی ہے۔

ملا علی قاری کی شرح فقہ اکبر میں ہے۔ مسلمانوں کے لئے ایسے امام کا ہونا ضروری ہے جو ان میں احکام اور حدود شرعی کو جاری کرے اور انکی سرحدوں کو محفوظ رکھے۔ اور انکے لشکر تیار کرے اور ان سے زکوٰۃ وغیرہ صدقات وصول کرے۔ اور ان پر غلبہ پانے والوں اور چوروں اور رہزنوں کو مغلوب کرے اور ایسے ہی اور امور جنکو عام لوگ نہیں کر سکتے۔ * * * * * پھر امام کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ قریشی ہو کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے آئمہ قریش سے ہوں یہ حدیث مشہور ہے۔ اور اسمیں نماز کا پیش امام بالاتفاق مراد نہیں ہے۔ لہذا اسمیں خلیفہ وقت کا مراد ہونا متعین

ان المسلمین لابد لهم من امام یقوم بتنفیذ احکامهم واقامة حدودهم وسد ثغورهم وتجهیز جیوشهم واخذ صدقاتهم وقهر المتغلبة والمتلصصة وقطاع الطریق واقامة الجمع والاعیاد وتزویج الصغار والصغائر الذین لا اولیاء لهم وقسمة الغنائم ونحو ذلک من الواجبات الشرعیة التی لا یتولاها احاد الامة * * ثم یشترط للامام ان یکون قرشیا لقوله علیه السلام الائمة قریش وهو حدیث مشهور ولیس المراد به الامامة فی الصلوٰة اتفاقا فتعینت الامامة الکبری خلافا للخوارج * * * * * ولا یشترط ان یکون

الامام هاشمیاً وعلویاً او معصوماً * * ویشترط ان یکون من اهل الولایة المطلقة الکاملة بان یکون مسلماً حراً ذکراً عاقلاً بالغاً سائساً لقوة رایه ورویته بالقدرة ومعونة بأسه وشوکته قادراً بعلمه وعدله وکفایته وشجاعته علی تنفیذ الاحکام وحفظ حدود دار الاسلام وانصاف المظلوم من الظالم عند حدوث المظالم۔

(شرح فقہ اکبر صفحہ ۱۱۶)

وسلم ہوا۔ اسکا ہاشمی یا علوی یا معصوم ہونا شرط نہیں۔ اور اس میں یہ شرط ہے کہ وہ عام اور کامل اختیارات کے لائق ہو یعنے مسلمان ہو۔ غلام نہو۔ مرد ہو۔ بچہ یا عورت نہو۔ صاحب سیاست و تدبیر و فکر و شوکت و قدرت ہو۔ اپنی علم و شجاعت عدالت سے احکام جاری کرنے اور حدود اسلام کے محفوظ رکھنے اور ظالم سے مظلوم کا حق دلانے پر قادر ہو۔

اور شرح مواقف میں ہے جمہور علماء اسپر ہیں کہ امامت کا مستحق وہ شخص ہے جسمیں شروط ذیل پائی جاویں

المقصد الثانی فی شروط الامامة الجمهور علی ان اهل الامامة ومستحقها من هو مجتهد فی الاصول والفروع لیقوم بامور الدین متمکناً من اقامة الحجج وحل الشبهة فی العقائد الدینیة

اول یہ کہ وہ مسائل اصول و فروع میں خود مجتہد ہو جس سے وہ امور دین کو قائم رکھ سکے اور دینی عقائد پر دلائل قائم کر سکے اور شبہات جو لوگوں کو عقائد اسلام میں پیدا ہوں دور

مستقلا بالفتوی فی النوازل والاحکام
والوقائع نصًّا واستنباطًا لان اہم
مقاصد الامامة حفظ العقائد
وفصل الحکومات ورفع المنازعات
ولن یتم بدون ہذا الشرط والثانی
البصارة بتدبیر الحرب والسلم
وترتیب الجیوش وحفظ الثغور
لیقوم بامور الملک شجاع قوی
القلب لیقوی علی الذب عن الحوزة
والحفظ لبیضة الاسلام بالثبات
فی المعارک کما روی انہ علیہ الصلٰوة
والسلام وقف بعد انہزام المسلمین
فی الصف قائلا انا النبی لا کذب *
انا ابن عبد المطلب * وکالسہولة ایضاً
فی اقامة الحدود وضرب الرقاب و
قیل لا یشترط فی الامامة ہذہ الثلاث
لانہا لا توجد الصفات الآن مجتمعة

کر سکے۔ اپنے آپ احکام و حوادث
میں فتوی دے۔ نص قرآن و حدیث
سے خواہ اپنے اجتہاد و استنباط سے
کیونکہ عقاید اسلام کی محافظت اور
فصل خصومات و انفصال مقدمات امام
کے فرائض سے اہم اور زیادہ مقصود
فرض ہے جو بلا وجود شرط اجتہاد پورا
نہیں ہو سکتا۔ دوسری شرط یہ ہے کہ
وہ ملکی و پولیٹیکل معاملات میں صاحب
رائے ہو اور لڑائی و صلح و آراستگی
لشکر و محافظت حدود کی تدبیروں
سے واقف ہو جس سے وہ ملکی انتظام
کر سکے تیسری شرط یہ ہے کہ وہ دل کا
بہادر ہو جس سے وہ ممالک اسلام سے
دشمن کو ہٹا سکے اور جماعت اسلام کی اپنی
ثابت قدمی سے حفاظت کرے جیسا کہ
آنحضرت صلعم سے منقول ہے کہ میدان

واذا لم يوجد لذلك فاما ان يجب نصب فاقدها فيكون اشتراطها عبثا لتحقق الامامة بدونها او يجب نصب واجدها فيكون تكليفا بما لا يطاق، نعم يجب ان يكون عدلا فى الظاهر ليلا يجور فان الفاسق ربما يصرف الاموال فى اغراض نفسه فيضيع الحقوق عاقلا ليصلح للتصرفات الشرعية والملكية بالغا لقصور عقل الصبى ذكرا اذ النساء ناقصات العقل والدين حرا لئلا يشغله خدمة السيد عن وظائف الامامة ولئلا يحتقر فيعصى فان الاحرار يستحقرون العبيد ويستنكفون عن طاعتهم فهذه الصفات الثمانى والخمس شروط معتبرة فى الامامة بالاجماع وفيه اشارة الى ان القول بعدم اشتراط الثلث الاول مما لا يلتفت اليه۔

جنگ سے لوگوں کے بھاگ جانے کے بعد آپ تنہا کھڑے رہے اور یہ بحر رجز اور بہادرانہ کلمات فرماتے تھے میں نبی ہوں اسمیں جھوٹ نہیں ہے۔ میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں اور نیز شرعی حدود (سزاؤں) کا قائم کرنا اور قصاص و مقابلہ میں مجرموں اور ظالموں کی گردن مارنا کوئی ہنسی کا کام نہیں جسکو بزدل کر سکے۔ بعض علماء کا یہ قول ہے کہ امام میں ان تین شرائط کا وجود ضروری نہیں کیونکہ یہ صفات اسوقت اکٹھی کسی شخص میں پائی نہیں جاتیں پھر اگر ان شرائط سے معرا امام کا مقرر کرنا واجب ٹھہرایا جائے تو ان شروط کا اعتبار عبث ہوتا ہے اور اگر ان شرائط کا جامع امام کا مقرر کرنا واجب ٹھہرایا جائے تو یہ ایک ایسے امر کو واجب ٹھہراتا ہے

وهنا صفات اخرى فى اشتراطها
خلاف الاول ان يكون قرشيا اشترطه
الاشاعرة والجبائيان ومنعه الخوارج
وبعض المعتزلة لنا قوله عليه السلام
الائمة من قريش ثم ان الصحابة
عملوا بمضمون هذا الحديث فان ابابكر
استدل به يوم السقيفة على الانصار
حين نازعوا فى الامامة بمحضر من
الصحابة فقبلوه واجمعوا عليه
فصار دليلا قاطعا يفيد اليقين
باشتراط القرشية احتج المانعون
من اشتراطها بقوله عليه السلام السمع
والطاعة ولو عبدا حبشيا فانه يدل
على ان الامام قد لا يكون قرشيا ۔
قلنا ذلك الحديث فى امرة الامام
اى جعله اميرا على سرية او على غيرها
كناحية ويجب حمله على هذا دفعا للتعارض

جو طاقت سے باہر ہے ۔ ان کے بجائے
ان شرائط کے شرائط ذیل کا اعتبار ضرور
ہے (۱) یہ کہ ظاہر عادل ہو کیونکہ
فاسق (ظالم) لوگوں کے مال اغراض
فاسدہ میں صرف کرتا ہے اور حقوق کو
تلف کرتا ہے (۲) وہ عاقل ہو جو
شرعی اور ملکی تصرفات کی لیاقت رکھے
(۳) وہ حد بلوغت کو پہنچا ہو کیونکہ لڑکے
کی عقل ناقص ہوتی ہے (۴) وہ عورت
نہ ہو کیونکہ عورتیں عموماً ناقص العقل ہوتی
ہیں (۵) وہ آزاد ہو ۔ کیونکہ غلام
اپنے مالک کی خدمت سے فارغ نہیں
ہوتا تو وہ خلافت کا کام کیونکر کرے گا
یہ صفتیں (پہلی تین ملاکر) آٹھ یا
صرف آخری پانچ بالاتفاق امامت
کی شرائط ہیں ۔ مصنف کے اس
قول میں یہ اشارہ ہے کہ پہلی تین کو

بینه وبین الاجماع او نقول هو مبالغة علی سبیل الفرض ویدل علیه انه لا یجوز کون الامام عبدا اجماعا الثانیة من تلك الصفات ان یکون هاشمیا شرط الشیعة ۔ الثالثة ان یکون عالما بجمیع مسائل الدین اصولها وفروعها بالفعل لا بالقوة وقد شرطه الامامیة الرابعة ظهور المعجزة اذ به نعلم صدقه فی دعوی الامامة والعصمة وبه قال الغلاة ویبطل هذه الثلثة واشتراطها فی الامامة انا ندل عنقریب علی خلافة ابی بکر رضی الله عنه وکونه اماما حقا ولا یجب شئ مما ذکر من تلك الاوصاف فان کونه هاشمیا منتفی والاخیران لا یصبان له اجماعا الخامسة ان یکون معصوما شرطه الامامیة والاسماعیلیة

شرط نہ ٹھہرانا لائق التفات نہیں ہے ۔ خلافت میں بعض صفات ایسی ہیں جنکے شرط ہونے میں بعض لوگوں کو اختلاف ہے پہلی شرط خلیفہ کا قریشی ہونا اشاعرہ اسکو شرط ٹھہراتے ہیں ۔ خارجی اور بعض معتزلی اس کے انکاری ہیں ۔ ہماری دلیل شرط ہونے پر آنحضرت صلعم کا یہ قول ہے کہ امام قریش کے ہونے چاہئیں ۔ پھر اس قول آنحضرت صلعم پر آنحضرت کے اصحاب نے عمل کیا ہے جبکہ سقیفہ کے دن انصار نے امامت میں جھگڑا کیا تھا تو حضرت ابوبکر نے اس قول سے تمسک کیا جسکو سب نے تسلیم کر لیا اور اسپر اتفاق کیا یہ اتفاق اثبات پر یقینی دلیل ہے کہ قریشی ہونا شرط خلافت ہے جو لوگ اس شرط کو نہیں مانتے وہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ آنحضرت

ویبطلہ ان ابابکرؓ لا یجب عصمتہ
اتفاقاً مع ثبوت امامتہ
(شرح مواقف ط۳۳)

لئے حکم دیا ہے کہ امیر یا حاکم کا حکم مانو اگرچہ وہ حبشی غلام ہو جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی امام قریشی نہیں بھی ہوتا اسکے جواب میں ہم کہتے ہیں یہ حدیث اس حاکم یا امیر کی نسبت ہے جسکو قریشی امام وقت نے کسی لشکر یا کسی جگہ کا امیر بنا دیا ہو اس حدیث کے یہی معنے کرنا چاہئے تاکہ اس حدیث میں اور اُن احادیث میں جو قریش کو امامت کے لئے مخصوص کرنے میں تعارض نہ ہو یا یوں کہیں کہ یہ فرضی طور پر مبالغۃً کیا گیا ہے نہ معنے کہ حقیقۃً غلام بالاتفاق امام نہیں ہو سکتا۔ دوسری شرط اختلافی امام کا ہاشمی ہونا ہے اسکو شیعہ شرط ٹھہراتے ہیں تیسری شرط یہ ہے کہ وہ مسائل اصول و فروع کو درنقد جانتا ہو نہ صرف ملکہ رکھتا ہو۔ امامیہ نے یہ چوتھی بھی شرط کی ہے کہ امام صاحب معجزہ ہو جس سے انکے دعوی کی تصدیق ہو۔ ان شروط کے ناجائز ہونے پر یہ دلیل ہے کہ ہم عنقریب صدیق اکبر کی خلافت بدلائل ثابت کریں گے جنمیں یہ شرطیں پائی نہیں گئیں۔ پانچویں شرط یہ ہے کہ امام معصوم ہو۔ یہ شرط امامیہ اور اسماعیلیہ نے لگائی ہے اور اسکا ابطال بھی اس سے ظاہر ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی امامت بدلائل ثابت ہے اور وہ معصوم نہ تھے۔

شرح مقاصد میں بھی ان شروط وصفات امامت کو تسلیم کیا ہے اور امیر

فان قیل لو وجب نصب الامام لزم اطباق الامۃ فی اکثر الاعصار علی ترک الواجب لانتفاء الامام المتصف بما یجب من الصفات سیما بعد انقضاء الدولۃ العباسیۃ واللازم منتف لان ترک الواجب معصیۃ وضلالۃ والامۃ لا تجتمع علی الضلالۃ قلنا انما یلزم الضلالۃ لو ترک عن قدرۃ واختیار لا عجز واضطرار (شرح مقاصد)

یہ اعتراض وارد کیا ہے کہ ایسی صفات کا امام تو ایک مدت سے جب سے کہ خلفا عباسیہ کی خلافت تمام ہوئی ہے مفقود ہو چکا ہے پھر اگر ایسے امام کا مقرر کرنا مسلمانوں پر واجب ہے تو امت محمدیہ کا تارک واجب اور گنہگار ہونا لازم آیا۔ پھر اسکا یہ جواب دیا ہے کہ امت کا گنہگار یا تارک واجب ہونا تب لازم آتا جبکہ وہ قدرت واختیار کے ساتھ امام مقرر نکرتے جب وہ ایسے امام کے مقرر کرنے سے عاجز وناچار ہیں تو وہ تارک واجب وگنہگار کیونکر ہو سکتے ہیں *

اس زمانہ میں ایک عالم اہلحدیث ابو حفص محمد بن ابی احمد المدنی الحسینی نے ایک کتاب موسوم بحسن المساعی الی نصح الرعیۃ والراعی احکام امام ورعیت میں تالیف کی ہے جو ۱۳۰۳ھ مطابق ۱۸۸۶ء بھوپال یا آگرہ میں طبع ہو کر شائع ہوئی ہے اسمیں بھی امام کی تفصیل مع شروط امامت کو بیان کیا اور دلائل قرآن حدیث سے ان کا ثبوت بہم پہنچایا ہے۔

ایسا ہی اور متکلمین و محدثین متقدمین و متاخرین نے ان شروط کو بیان کیا ہے اور عقلی و نقلی دلائل سے اسکا ثبوت دیا ہے۔ علی الخصوص قریشی ہونے امام کی شرط کہ اس کی ثبوت پر کتب حدیث میں بہت زور دیا گیا ہے۔ لہذا ہم بھی اسکی تائید میں چند احادیث و اقوال محدثین کو نقل کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے چنانچہ حضرت ابوہریرہ نے آپ سے نقل کیا ہے۔ (١) امام (خلفا) قریش سے ہونگے یا ہونے چاہئیں۔ اور (٢) آپ نے فرمایا ہے چنانچہ ابوہریرہ نے نقل کیا ہے (٣) ملک یعنی خلافت چنانچہ عتبہ بن عبدان کی روایت میں آیا ہے (قریش کے لئے ہے (۴) اور آپ نے فرمایا ہے (چنانچہ حضرت علی مرتضی نے روایت کیا ہے) امیر قریش سے ہیں (یا ہونے چاہئیں) نیکو کار نیکوں کے لئے بدکار بدکاروں کے لئے۔

(۵) اور آپ نے فرمایا ہے (چنانچہ ابوہریرہ رض نے آپ سے نقل کیا ہے کہ لوگ اس

(١) الائمة من قریش (امام احمد طبرانی ابو یعلی)

(٢) الملک فی قریش (ترمذی)

(٣) الخلافة فی قریش (امام احمد)

(۴) الامراء من قریش ابرارها امراء ابرارها وفجارها امراء فجارها (البزار) (تاریخ الخلفاء شیخ جلال الدین سیوطی شافعی)

(۵) الناس تبع لقریش فی هذا الشأن مسلمهم لمسلمهم وکافرهم لکافرهم (صحیح مسلم صـ۱۱۹ جلد ۲)

(٦) لایزال هذا الامر فی قریش ما بقی

من الناس اثنان۔ (مسلم ص[illegible] و
بخاری ص[illegible] واللفظ لمسلم)
(۷) ان هذا الامر فی قریش لا یعادیهم
احد الا کبه الله علی وجهه ما اقاموا
الدین (بخاری ص[illegible])۔

امر (خلافت) میں قریش کے تابع ہیں۔ مسلمان مسلمانوں کے کافر کافروں کے

(۶)
اور آپ نے فرمایا ہے چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر نے نقل کیا ہے یہ امر (خلافت) ہمیشہ قریش کے لئے رہے گا (یعنی) وہی اسکے مستحق ہوں گے جبتک کہ دو آدمی بھی دنیا میں رہیں۔

(۷)
اور آپ نے فرمایا ہے (چنانچہ امیر معاویہ نے آپ سے نقل کیا ہے) یہ امر (خلافت) قریش میں رہے گا۔ جو کوئی ان سے دشمنی (یا مقابلہ) کریگا خدا اسکو منہ کے بل ڈالے گا جب تک کہ وہ دین کو قائم رکھیں گے۔

هذه الاحادیث واشباهها دلیل ظاهر
ان الخلافة مختصة بقریش لا یجوز
عقدها لاحد من غیرهم وعلی هذا
انعقد الاجماع فی زمن الصحابة
وکذالک بعدهم ومن خالف فیه من

صحیح مسلم کی شرح میں امام نووی نے فرمایا ہے یہ حدیثیں اور جو انکی مثل ہیں اثبات یہ دلیل ہے کہ خلافت قریش سے مخصوص ہے بجز قریش کسی کے لئے عقد خلافت جائز نہیں ہے اسپر صحابہ کے زمانہ میں اور ان کے بعد اجماع ہو چکا ہے اور جنہوں اہل بدعت (خوارج و معتزلہ) سے اسمیں اختلاف کیا ہے وہ باجماع صحابہ و تابعین احادیث صحیحہ سے مغلوب ہے قاضی عیاض نے فرمایا ہے کہ امام کے قریشی

هل البدع او عرض بخلاف من غيرهم
فهو محجوج باجماع الصحابة والتابعين
فمن بعدهم بالاحاديث الصحيحة
قال القاضي اشتراط كونه قرشيا هو
مذهب العلماء كافة قال وقد احتج به
ابوبكر وعمر على الانصار يوم السقيفة
فلم ينكره احد قال القاضي وقد
عدها العلماء في مسايل الاجماع ولم
ينقل عن احد من السلف فيها قول
ولا فعل يخالف ما ذكرنا وكذلك من
بعدهم في جميع الاعصار قال ولا
اعتداد بقول النظام ومن وافقه من
الخوارج واهل البدع انه يجوز كونه من
غير قريش ولا بسخافة ضرار بن عمرو
في قوله ان غير القرشي من النبط وغيرهم
يقدم على القرشي لهوان خلعه ان
عرض منه امر وهذا الذي قاله من

ہونے کی شرط تمام علماء کا مذہب ہے
اس سے ابوبکر صدیق نے سقیفہ کے
دن استدلال کیا تو کسی نے اسکو رد
نہیں کیا قاضی عیاض نے فرمایا ہے
کہ اس مسئلہ کو علماء نے اجماعی مسایل
سے شمار کیا ہے اور سلف و خلف سے
اسکا مخالف کوئی قول یا فعل منقول
نہیں ہوا ۔ اور فرمایا ہے کہ نظام
(معتزلی) اور انکے ہم مذہب خارجیوں
اور بدعتیوں کے اس قول کا کہ غیر قریش
بھی امام ہو سکتا ہے " کچھ اعتبار نہیں
ہے ۔ اور نہ ضرار بن عمرو کی اس حماقت کا
اعتبار ہے جو اسکے اس قول میں پائی
جاتی ہے کہ غیر قریش (نبطی وغیرہ)
امام ہو تو وہ قریش سے مقدم ہے ۔
کیونکہ اسکو خلافت سے برطرف کرنا
آسان ہوتا ہے جب اس سے کوئی امر

باطل القول وزخرفه مع ما هو عليه من مخالفة اجماع المسلمين - والله اعلم (شرح مسلم نووی ص۱۹ جلد۲)

موجب برطرفی سرزد ہوا اسکا یہ قول باطل ہے اور ملمع اور تمام مسلمانوں کے برخلاف ہے"۔

عمدۃ القاری اور فتح الباری شرح صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ امام قرطبی نے

قال القرطبی هذا الحدیث خبر عن المشروعیة ای لا تنعقد الامامة الکبری الا لقریش مهما وجد منهم احد۔ فکانه جنح الی انه خبر بمعنی الامر (عینی و فتح الباری)

فرمایا ہے کہ آنحضرت صلعم کا یہ قول کہ خلافت قریش میں رہیگی خلافت کے حکم شرعی کا بیان ہے کہ بجز قریش خلافت کسی کے لئے صحیح نہ ہوگی جب تک کہ کوئی ایک ان میں سے موجود رہے گا۔

ان کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس خبر کے معنے امر ہونے کیطرف مائل ہوئے ہیں"

اس تفصیل سے ناظرین کو بخوبی معلوم ہوگا کہ امام جسکو اس حدیث میں شرط جہاد یا سپر ٹھیرایا گیا ہے کسکو کہتے ہیں اور اس میں کن کن شرائط و اوصاف کا ہونا ضروری ہے - اور اسکے ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوگا کہ ایسا امام آجکل کیا ایک مدت سے روئے زمین سے مفقود ہے اور آئندہ بھی بنظر ظاہر اسباب و حالات اسکا موجود ہونا مشکل نظر آتا ہے گو خداوند کریم کی قدرت میں سب کچھ ہے -

مسلمانون کے بحالت ناچاری بلا امام رہنے اور مع ہذا گناہ گار یا ناقص الایمان نہونے پر دلیل یہ حدیث ہے جو امام بخاری نے اپنی کتاب مین اس عنوان کہ جب مسلمانون کی کوئی جماعت نرہے اُسکے باب مین حذیفہ سے نقل کی ہے کہ انہون نے فرمایا۔ لوگ آنحضرت صلعم سے بھلائی کا حال پوچھتے تھے مین آپ سے بُرائی کا حال پوچھا رہتا اس ڈر کے مارے کہ وہ بُرائی مجھے نہ آلگے مینے پوچھا یا رسول اللہ ہم ایک زمانہ جاہلیت (کفر) اور بُرائی مین رہے۔ پھر خدا تعالے یہہ خیر (اسلام) لایا اس خیر کے بعد بھی بُرائی آنے والی ہے؟ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہان مینے عرض کیا اس بُرائی کے بعد بھی خیر آئیگی آپ نے فرمایا ہان پر اسمین دہندلاپن ہوگا۔ مینے عرض کیا وہ کیا ہے؟ آپنے فرمایا ایسی قوم پیدا ہوگی جو میری راہ کے بغیر اور راہ چلیگی۔ ان مین تم

باب کیف الامر اذا لم تکن جماعة حدثنا محمد بن المثنی قال حدثنا الولید بن مسلم قال حدثنا ابن جابر قال حدثنی بسر بن عبید الله الحضرمی انه سمع حذیفة بن الیمان یقول۔ کان الناس یسئلون رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم عن الخیر وکنت اسئله عن الشر مخافة ان یدرکنی فقلت یا رسول الله صلعم انا کنا فی جاهلیة وشر فجاءنا الله بهذا الخیر فهل بعد هذا الخیر من شر قال نعم قلت وهل بعد ذلك الشر من خیر قال نعم وفیه دخن قلت وما دخنه

قال قوم یہدون بغیر ہدیی تعرف
منہم وتنکر قال قلت فہل بعد ذلک
الخیر من شر قال نعم دعاة علی
ابواب جہنم من اجابہم الیہا قذفوہ
فیہا قلت یا رسول اللہ صفہم لنا قال
ہم من جلدتنا ویتکلمون بالسنتنا
قلت فما تامرنی ان ادرکنی ذلک قال
تلزم جماعة المسلمین وامامہم قلت فان
لم یکن لہم جماعة ولا امام قال فاعتزل
تلک الفرق کلہا ولو ان تعض باصل
شجرة حتی یدرکک الموت وانت
علی ذلک - (صحیح بخاری ص۱۰۴۹
صحیح مسلم ص۱۲۷ جلد ۲ وغیرہ

اچھی باتیں بھی پاؤگے بُری بھی - میں نے
عرض کیا اس خیر کے بعد بھی برائی
ہوگی آپ نے فرمایا ہاں دوزخ کے
دروازہ پر بلانے والے لوگ ہونگے
جسنے ان کا کہنا مانا اسکو وہ جہنم میں
پھینک دینگے - میں نے عرض کیا یا رسول
اللہ آپ ان کا کچھ حال بیان فرماویں
آپ نے فرمایا وہ ہم میں سے ہونگے
اور ہماری ہی بولی بولیں گے اپنے
کلمہ الاسلام کہیں گے میں نے عرض
کیا یا رسول اللہ آپ کیا حکم دیتے ہیں
اگر مجھ پر وہ دن آئے آپ نے فرمایا
تم مسلمانوں کی جماعت اور امام کے ساتھ
ہوجاؤ - میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر کوئی جماعت اور امام نہ ہو تو آپ نے
فرمایا کہ پھر سب فرقوں سے کنارہ ہوجائیو اگرچہ درخت کی جڑ دانت سے
کاٹ لینے کھانے کے لئے بجز درخت کچھ نہ ملے اسی پر ہوجا یہانتک کہ
تجھے موت آپہنچے +

مسئلہ ہفتم و نہم و دہم کے نتائج

(۱) اکثر اوقات جو بعض ناواقف مسلمان بلا جمعیت و سامان سو پچاس بلکہ دس بیس بلکہ دو چار آدمی ملکر اپنے سے وہ چند مخالفین مذہب پر حملہ کرتے ہین۔ اور اپنی کمی اور بے سامانی کے سبب شکست کھا کر پسپا ہوتے ہین اور بعض اسی مین مارے جاتے ہین ان کا یہ فعل جہاد نہین ہے سراسر فساد ہے خواہ اس مین باقی شروط جہاد موجود بھی ہون اور کوئی مانع منجملہ موانع مذکورہ سابق متحقق نہو+

بعض سرحدی نادان ناواقف از احکام اسلام و قران تن تنہا ایک سیر آٹا یا ستو باندھ کر غازی یا شہید ہونے کی نیت سے چل پڑتے ہین اور کسی کیمپ یا چھاونی انگریزی مین پہنچکر کسی افسر یا فوجی ملازم کو مار ڈالتے ہین پھر اسکی سزا مین پھانسی پاتے ہین یہ اور بھی فساد و بغاوت اور عناد ہے۔ ایسی صورتون سے اپنی جان کو ہلاک کرنا حرام موت مرنا ہے۔ اور بہشت کی خوشیون سے محروم رہنا۔ اور ایسے فسادون کو جہاد سمجھنا اور اسمین شہادت کی ہوس کرنا سراسر جہالت و حماقت ہے۔

(۲) شرعی جہاد تب ہی مفقود ہے جب سے شرعی امامت و خلافت دنیا سے مفقود ہوئی ہے۔ بنا بر علیہ پچھلے سلاطین اسلام (جو قریشی نہ تھے اور نہ دوسری

شرایط و اوصاف امامت ان مین پائے جاتے تھے اکی لڑائیون کو جو بنام نہاد جہاد انہون نے کین ہین شرعی جہاد نہین کہا جا سکتا +

یہ نتیجہ فقہاء و محدثین متقدمین و متاخرین مین مسلّم ہے - گو اس کی دلیل انہون نے یہ بیان کی ہے کہ ان کی غرض اس جہاد سے وہ نہ تھی جو شرعی جہاد سے غرض ہے - (دیکھو تاریخ عجائب المقدر تاریخ الخلفا - رسالہ منصب امامت مولوی محمد اسمعیل مرحوم دہلوی اور بدر طالع قاضی محمد بن علی شوکانی وغیرہ تصانیف متقدمین و متاخرین)

ان دو نتیجون سے یہ ایک اور نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ اس زمانہ مین بھی شرعی جہاد کی کوئی صورت نہین ہے - کیونکہ اسوقت نہ کوئی مسلمانون کا امام موصوف بصفات و شرایط امامت موجود ہے اور نہ ان کو ایسی شوکت و جمعیت حاصل ہے جس سے وہ اپنے مخالفون پر فتحیاب ہونے کی امید کر سکین +

ہم جب کبھی بعض اخبارات مین یہ خبر دیکھتے ہین کہ سلطنت روم یا ریاست افغانستان وغیرہ بلاد اسلام سے جہاد کا اشتہار دیا گیا ہے تو ہمکو سخت تعجب ہوتا ہے اور اس خبر کا یقین نہین آتا - اور یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسوقت روئے زمین پر امام کہان ہین جنکی پناہ مین اور انکے امر و اجازت سے مسلمان جہاد کر سکین اور ایسی جمعیت و شوکت کسکو میسر ہے جس سے وہ اپنے دشمنون اور مخالفون پر

فتحیاب ہونے کی امید رکھین ۔

(۳) مسلمانون کی موجودہ حالت کہ انہین نہ کوئی امام ہے اور نہ جمعیت سامان جہاد انکو حاصل و میسر ہے" بالکل قابل اطمینان ہے علے الخصوص حالت مسلمانان ہند (جنکو موجودہ سلطنت کے ظل حمایت مین مذہبی آزادی پوری حاصل ہے) اور بھی طمانیت بخش ہے اس حالت پر نہ مسلمانون کو اپنے دین کے نقصان یا گناہ کا خوف کرنا چاہئے اور نہ ان کے حاکم وقت برٹش گورنمنٹ کو ان کی طرف سے یہ خوف رکھنا چاہئے کہ وہ اپنی اس حالت کو نقصان و گناہ کی حالت سمجھکر اس حالت کو بدلانے اور اپنے لئے کوئی امام یا سامان جہاد بہم پہنچانے مین سعی کرین گے ۔ اور کبھی نہ کبھی گورنمنٹ کے مخالف ہو جائین گے ۔ یہ خوف و یقین کا اسوقت بجا تھا جبکہ جہاد اسلام کا اصلی فرض ہوتا اور تقرر امام کے سوا مسلمانون کا اسلام صحیح یا کامل نہ ہوتا ۔

اور جبکہ ان باتون کی اس رسالہ مین اول و آخری مسئلہ مین بخوبی نفی ہو چکی ہے تو اس خوف کا مسلمانون یا گورنمنٹ کو کون سا موقع و محل ہے ۔

یہ مسئلہ جہاد کے متعلق اسلام و اہل اسلام کے علمی خیالات ہین ۔ رہی ان کے عملی حالات اور تاریخی واقعات کہ پیغمبر اسلام علیہ السلام اور ان کے پیروان کرام کا عمل ان خیالات کے مطابق کیونکر رہا ہے ۔ اور ان کی لڑائیون اور چڑھائیون مین ان شروط و مسایل کا تحقق کیونکر ہوا ہے اسکی تفصیل ہم اس

رسالہ کے دوسرے حصہ مین کرینگے ۔ اگر توفیق الٰہی رفیق ہوئی ◆

ان مسایل عشرہ سے جو اس حصہ مین بیان ہوئی ہین ہماری وہ دو غرضین جنکو ہم شروع رسالہ مین بیان کر چکے ہین بخوبی حاصل ہونگے ۔

ناواقف مسلمانون کو ان مسایل کے پڑھنے سے یہ علم ہوگا کہ جہاد کی بنا صرف مذہبی مخالفت پر نہین ہے اور ہر ایک مخالف مذہب سے بلا تحقیق شروط جہاد جائز نہین ۔ علی الخصوص ان مخالفین مذہب سی جنکے ظل حمایت مین مسلمان رہین یا ان کے ساتھ ملکر با امن عمر بسر کرین ◆

اور اقوام غیر کو اگر وہ اس رسالہ کو انصاف سے پڑھین یہ یقین ہوگا کہ صرف مخالفت مذہبی سے مخالفین مذہب سے لڑنا ۔ اور انکو زبردستی مسلمان بنانا اور بزور شمشیر اسلام پھیلانا اور سلطنت مخالف مذہب کی اطاعت سے خارج ہو جانا اور سلطنت غیر مذہب کے زیر سایہ رہکر اسکی بغاوت کا خیال دل مین لانا وغیرہ وغیرہ اسلام و سچے پیروان اسلام کا کام نہین ہے ۔

ہم علماء مذاہب غیر سے جو اسلام کی نسبت ایسے خیالات ظاہر فرما چکے ہین بکمال ادب و اخلاص درخواست کرتے ہین کہ وہ اس حصہ رسالہ کو غور و انصاف سے ملاحظہ فرماوین پھر اگر اسکو حق و راستی پر مبنی پاوین تو اسکی تصدیق و تسلیم سے ہمکو اپنا ممنون بناوین اور اگر اسمین کوئی غلطی پاوین تو ہمکو اسپر آگاہ کرین فقط

تمت

ناشر مکتبہ الجمال چک ۱۱۲/۱۰ر تحصیل خانیوال ڈاکخانہ جہانیاں منڈی ضلع ملتان سے